ع ۱۲ غ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

طبع اوّل	۱۹۵۸ء
طبع دوم	۱۹۷۳ء
طبع سوم	۱۹۸۴ء
اندرونی تصاویر	شاکر علی
سرورق	سنبل نظیر
قیمت	پینتیس روپے
طابع	افریشیا پرنٹنگ پریس ناظم آباد کراچی

E-Books
WHATSAPP GROUP

اطہر کے نام

ترتیب

آتش و آب و خاک و باد
سوچ میں ہیں کہ ان کے باغ
ان کے نہال ان کے پھول
کیاریوں میں بٹے ہوئے
قید ہیں اور اداس اداس

تیسری اشاعت

"غزلیں، دوہے، گیت" جدید اردو شاعری کے اُن چند نمایندہ مجموعوں میں سے ہے، جنھوں نے اسلوب و اظہار کے نئے راستے دکھائے اور ایک نئے لہجے اور ایک نئی آواز کی موجودگی کا احساس دلایا۔ ہماری نئی شاعری پر "غزلیں، دوہے، گیت" کے اثرات اتنے واضح ہیں کہ انھیں بآسانی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ غزل کے کلاسیکی آہنگ میں ایک نئے لہجے کو شامل کرنا، دوہے کو برِ صغیر کی ایک مقبول صنفِ سخن بنانا اور گیتوں کو نئی زندگی دینا، اس مجموعے کی ایسی خصوصیات ہیں جو اسے ایک رجحان ساز مجموعہ بناتی ہیں۔ اور یہی اس کی مقبولیت کا سبب ہے۔

ایک عرصے سے یہ مجموعہ نایاب تھا۔ اس کے باوجود اس کا شمار فراموش شدہ مجموعوں میں نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس اس کی مانگ بڑھتی چلی گئی۔ اسی مانگ کے پیشِ نظر اسے اوّلین اشاعت کے مطابق شائع کیا جا رہا ہے۔ دوسری اشاعت کا دیباچہ محض اس خیال سے شامل کیا گیا ہے کہ یہ ایک دلچسپ تحریر ہے جس میں عالی صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ پروفیسر محمد حسن عسکری کی توقعات پوری کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ عالی صاحب کے اس خیال کی تردید اُس کلام سے ہوتی ہے جو انھوں نے گزشتہ ۲۵ برسوں میں تخلیق کیا ہے۔ "لاحاصل" کے نام سے غزلوں، دوہوں اور گیتوں کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے اور اسی قسم کا بہت سا کلام غیر مدوّن صورت میں موجود ہے۔ گزشتہ ۲۵ برسوں میں عالی صاحب نے قومی نغمے بھی بڑی تعداد میں تصنیف کیے جن کی معنویت اور مقبولیت سے ہماری قومی شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا ہے۔ "غزلیں، دوہے، گیت" کے بعد کا سارا کلام زیرِ ترتیب ہے اور یہ عنقریب کتابی صورت میں شائع ہو گا۔

ناشر

یہ مجموعہ ۱۹۵۷ء میں چھپا تھا۔ اُس وقت بھی کسی قابل نہ تھا۔ مگر پروفیسر محمد حسن عسکری اور دیگر احباب نے اصرار کیا کہ تمہارے سبھی معاصرین کے مجموعے چھپ رہے ہیں اشاعت میں کوئی ہرج نہیں۔ عسکری صاحب نے دیباچہ بھی لکھا کہ اس وقت بھی رسم تھی اور آج بھی پوری کی جاتی ہے۔ وہ دیباچہ اس اشاعت میں اُسی طرح شامل کر دیا گیا ہے۔

افسوس کہ میں عسکری صاحب کی توقعات پوری کرنے میں بہت جلد ناکام ہو گیا۔ نہ جانے کس کس چکر میں پھنس گیا۔ شعر سے بے رخی کی جائے تو شاعری سخت ترین سزائیں دینے سے بھی باز نہیں آتی۔

ان پندرہ برس میں دنیا بہت کچھ بدل گئی ہے۔ میری دنیا میں بھی بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔ اس مجموعے سے پہلے بھی مطمئن نہ تھا۔ اب جو دیکھتا ہوں تو ــ تو ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی۔

مگر بس یہی کچھ تو تھا۔ اسے ساقط اور منسوخ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر بدلا نہیں جا سکتا۔ ادھر مجموعہ نایاب ہے۔ بہت سے لوگوں کو معلوم بھی نہیں کہ اس نام کی کوئی کتاب چھپی تھی۔ جنھیں معلوم ہے وہ تلاش کرتے ہیں اور نہیں پاتے تو شکایت کرتے ہیں سو اب "غزلیں، دوہے، گیت" دوبارہ حاضر ہے۔ اس کی پہلی اشاعت پر

شاندار خیر مقدم، تنقید، تنقیص سبھی مراسم ادا ہو چکے ہیں۔ اس وقت یہ اشاعت صرف اشاعتِ ثانی کی خاطر پیش کی جا رہی ہے اور یہ بات کہنے کے لیے بھی کہ ع

کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

دوسرا مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔ دراصل وہ بھی کلام منسوخ ہے یعنی جو کہا ہے اس سے سخت نامطمئن ہوں۔ نہ چھپواتا مگر اس بار جناب احمد ندیم قاسمی فرماتے ہیں کہ جیسے رہے ہو، ویسے ہی سامنے آؤ۔ جب بدل جاؤ گے اظہار بھی بدل جائے گا۔ آئندہ جیسے ہو اسی طرح سامنے آنا۔ پچھلی باتوں پر خطِ تنسیخ پھیرنا اور بات ہے۔ انھیں چھپا لینا اور بات۔ مشکل یہ ہے کہ میں خود تنقیدی کی حدود نہیں جانتا۔ بس نادم ہوں اور حیران بھی کہ اتنا نادم کیوں ہوں۔

اس بات کا امکان ہے کہ نئے کلام کا مجموعہ بھی اس مجموعے کے ساتھ ساتھ آئے۔ اس کا نام تا حال "لاحاصل" ہے۔ ممکن ہے عین وقتِ اشاعت کوئی دوسرا نام سوجھ جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نہ یہ دوسری اشاعت سامنے آئے۔ نہ وہ نیا مجموعہ چھپنے پائے۔ آج کل مجھے موت کا خیال بہت ستاتا ہے اور دوسرا مجموعہ یعنی پچھلے پندرہ برس کا کلام کہیں بھی پوری طرح محفوظ نہیں۔ پرچے، پرزے، چھپے ہوئے تراشے جمع کر رہا ہوں۔ کیا پتا یہ سب کوشش ناتمام رہ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو بہت سے لکھنے والے اطمینان کا سانس لیں گے۔

اور شاید چند لوگ افسوس بھی کریں۔

جمیل الدین عالی

کراچی
۲۰ اپریل ۱۹۷۲ء

دیباچہ

"وہ جو غالبؔ بھی تھا اور معتقدِ میرؔ بھی تھا" اس کے خاندان میں پیدا ہونے کا جمیل الدین عالیؔ کے حق میں ایک بُرا نتیجہ نکلا۔ ان کے دل میں خواہ مخواہ یہ بات بیٹھ گئی کہ میں کچھ بھی کیوں نہ کرلوں، غالبؔ نہیں بن سکتا۔ لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ آدمی اُسی وقت شاعری کرے جب غالبؔ بن سکنے کا امکان ہو۔ پہاڑ بھی ٹھیک ہے اور اُونٹ بھی ٹھیک۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اُونچے۔ لیکن عالیؔ نے اُونٹ کی خوبیاں تسلیم کرنے میں فراخ دلی سے کام نہیں لیا۔ ہے تو یہ بات دیباچہ نگاری کے مروّجہ آداب کے خلاف مگر میں تو ابتدا شکایت ہی سے کروں گا۔ کیونکہ عالیؔ کی شاعری اور شخصیت میں جو امکانات پنہاں ہیں ان کا اندازہ مجھے عالیؔ سے زیادہ ہے۔ انھوں نے غزل، دوہے، گیت، نظمِ معرّیٰ، سبھی کچھ لکھا ہے، بلکہ غزل میں بھی مختلف اُسلوب آزمائے ہیں۔ غالبؔ کا رنگ ہو یا مومنؔ کا، یا اقبالؔ کا، فارسی ترکیبیں استعمال کرنے کا معاملہ ہو یا سلاستِ بیان کا۔ انھوں نے اپنی مرزائی شان ہر جگہ برقرار رکھی ہے۔ لیکن انھوں نے اپنی شاعری کو خود ایسی وقعت کبھی نہیں دی جس کے زور سے شاعر کے کلام میں ارتکاز پیدا ہوتا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ عالیؔ کو "کیے جاؤ کوشش مرے دوستو" کے اُصول پر عمل

آنا چاہیے۔ شاعری کوئی تجارت نہیں یہاں محنت مشقت یا ریاضت کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ لیکن جو چیز شاعری کو محض شاعری کے درجے سے اونچا اُٹھاتی ہے وہ تو ایک غیر شخصی قوت ہے۔ ممکن ہے کہ سائل دہلوی[1] کی شاگردی کے زمانے میں حالی نے ریاض بھی کیا ہو لیکن وہ اپنی شاعری کو اتنی سنجیدہ چیز نہیں سمجھتے۔ یعنی وہ دراصل ہے۔ مشاعروں میں نے انھیں اکثر کہتے سنا ہے کہ میاں تم تو مشاعرے باز آدمی ہیں۔ کاش کہ حالی کا یہ انکسار بے خلوص نہ ہوتا۔

جیسے مشاعرہ بازی کا ہی معاملہ لیجیے۔ مشاعرے کے لیے غزلیں لکھنے یا عادتاً مشاعرے میں پڑھنے کے فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی۔ نقصان تو یہ ہے کہ شاعر ایک دفعہ اندازہ لگالے کہ لوگ کس قسم کے جذبات اور بحریں پسند کرتے ہیں، اور اس کے بعد اپنے تجربات کو انھیں پیمانوں سے ناپ ناپ کے مقررہ توتلوں میں بھرتا رہے۔ اس طرح شاعر پہلے تو نئے وسیع اور گہرے تجربات کی صلاحیت کھو دیتا ہے، اور پھر سامعین بھی بہار دیکھتے دیکھتے یہ حادثہ بہت سے شاعروں کو پیش آچکا ہے۔ جن میں سے بعض نہایت مشہور بھی ہیں۔ لیکن دوسری طرف مشاعرے بازی مفید بھی ہوسکتی ہے بشرطیکہ شاعر داد لینے کی خواہش کا شکار نہ ہو جائے۔ مشاعرے میں غزل پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے سننے والوں کے دل و دماغ کو اتنا حقیر نہیں سمجھتا کہ ان سے تخاطب کی زحمت ہی گوارا نہ کرے۔ مشاعرے کی بنیاد ہی اس یقین پر ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والوں کے درمیان چند ذہنی اور جذباتی اقدار مشترک ہیں، اور سننے والوں میں نئے تجربات کو قبول کرنے کی آمادگی ضرور موجود ہے۔ دوسری طرف مشاعرے میں پڑھنے والے شاعر سے ایک توقع یہ کی جاتی ہے کہ وہ اپنے جذبات پر شرمانا نہیں

[1] بدقسمتی سے میں ان کا شاگرد نہیں ہو سکا۔ عزیزداری کے علاوہ میں ان کا حاشیہ بردار ضرور رہا ہوں۔ (مصنف)

بلکہ دوسروں کے سامنے کھل کر ان کا اظہار کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ عالی مشاعرے باز شاعر بھی، مگر ان میں اچھے مشاعرے بازوں کی یہ دونوں صحت مند خصوصیتیں موجود ہیں۔ یعنی کھلے دل سے اپنی بات دوسروں کے سامنے کہنے کی ہمت بھی اور دوسروں کی ذہنی اور جذباتی صلاحیت پر اعتماد بھی، اور ساتھ ہی سامعین سے مغلوب نہ ہونے کی طاقت بھی۔ مشاعرے باز شاعر ہوں یا غیر مشاعرے باز، آج کل کے زمانے میں یہ تین باتیں کسی ایک شاعر میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ عالی مشاعرے بازوں کے انجام سے کچھ ایسے گھبرائے ہیں کہ انھوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ مشاعرے نے اُن کی شاعری کو کیا فائدہ پہنچایا ہے۔ اکثر مشاعرے باز اپنا ایک خاص ترنّم وضع کر لیتے ہیں، اور ہر غزل کو اسی لَے میں ڈھالتے ہیں، چاہے کسی خاص غزل اور ان کے ترنّم کا آپس میں کوئی علاقہ ہو یا نہ ہو۔ لیکن عالی کے یہاں ترنّم اور شعر یک جان ہوتے ہیں۔ ان کی خوش گلوئی ان کی غزل میں گونجتی ہے، اپنی آواز اور اپنی شخصیت کے آہنگ کو شعر میں سمو دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ عالی کے یہاں اس اہلیت کی نشو و نما اگر مشاعرے میں نہیں ہوئی تو اور کہاں ہوئی۔ عالی کے شعر بیک وقت دل اور دماغ دونوں سے تخاطب کرتے ہیں۔ اگر جذبے کا خلوص اور تازگی دل پر اثر انداز ہوتی ہے تو یہ ردیّے کا تیکھا پن اور اندازِ بیان کی شوخی ذہن کو بھی چھیڑتی ہے۔ جذبے اور خیال کی یہ سادہ آمیزش، دماغ اور دل کی یہ سنگت اگر مشاعرے میں پڑھنے کی مجبوری سے حاصل نہیں ہوئی تو کہاں سے ہوئی ہے۔ جیسا کہ آپ کو عالی کا کلام پڑھ کر اندازہ ہوگا، ان کے یہاں جو ایک ہلکی کھٹک اور چبھن ملتی ہے وہ انسانی زندگی اور انسانی جذبات کے اندرونی تضاد اور کشاکش کے احساس نے پیدا کی ہے۔ یہ شعور عالی کے یہاں ابھی تک اتنا گہرا

تو نہیں کہ بڑی شاعری پیدا کر سکتا، لیکن اس حد تک ضرور موجود ہے کہ ان کی شاعری اور شخصیت دونوں کے لیے خطرناک بن سکتا تھا۔ اس احساس کے طفیل اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی کی شاعری اور شخصیت دونوں گھٹن، جھلاہٹ اور بیچارگی کی دلدل میں پھنس کر رہ جائیں۔ حالی اپنی مشاعرے بازی اور مجلس آرائی کا شمار اپنی حماقتوں میں کرتے ہیں۔ لیکن انھیں چیزوں کی مدد سے انھوں نے اپنے آپ کو اس شکستگی سے محفوظ رکھا ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا، اور یہیں سے انھیں وہ توانائی اور استقامت ملی ہے جو ان کی غزلوں کے نفسِ مضمون میں ہی نہیں بلکہ لہجے میں بھی گونجتی ہے۔ مشاعرے بازی کی عادت نے حالی کو وہ جذباتی توازن اور تمکنت بخشی ہے جس کے لیے انھیں مشاعرے کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے۔ مشاعرے میں ابھی تک کتنی زندگی ہے، اور یہ شاعروں کو کیا کچھ دے سکتا ہے، اس کے ثبوت میں حالی کا کلام پیش کیا جا سکتا ہے۔

اب حالی کی شاعری کا ایک اور پہلو دیکھیے، یعنی ان کی شاعری اور شخصیت کا ایک دوسرے سے رشتہ۔ اس میں شک نہیں کہ عظیم ترین شاعری ہمیشہ شاعر کی شخصیت سے اتنی آگے ہوتی ہے کہ ہم اس کا شمار مظاہرِ فطرت میں کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے نیچے شاعری کے جتنے بھی درجے ہیں ان میں شاعری اور شخصیت کا تعلق کئی شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ شاعر کی شخصیت میں وہ امکان نظر نہیں آتے جن کا اظہار اس کی شاعری کرتی ہے۔ ایسی صورت میں شاعر کی ذات کا وہ حصّہ شعر میں بولتا ہے جو کسی اور شکل میں بروئے کار نہیں آیا۔ بعض شاعر ایسے ہوتے ہیں جن کی شاعری اپنی جگہ وقیع ہوتی ہے، مگر ان کی شخصیت میں کہیں زیادہ تنوع اور توانائی نظر آتی ہے۔ یعنی ان کی شخصیت ان کی شاعری سے آگے نکل جاتی ہے، یا

یوں کہیے کہ شاعری شخصیت کے برابر تک نہیں پہنچ سکتی۔ بعض دفعہ شاعری اور شخصیت میں بالکل ہی تضاد ہوتا ہے۔ ایسے آدمی کی شخصیت دو الگ خانوں میں بٹی ہوتی ہے؛ ایک حصہ زندگی میں عمل کرتا ہے دوسرا شاعری میں۔ پھر کچھ ایسے شاعر ہوتے ہیں۔ جن کی شاعری ان کی شخصیت کو مسخ کر دیتی ہے، اور اس کے برخلاف وہ لوگ ہیں جن کی شخصیت ان کی شاعری کو توڑ مروڑ کے رکھ دیتی ہے۔ عالی کی شاعری ان کی شخصیت کا مکمل اظہار ہے۔ نہ یہ آگے نہ وہ پیچھے۔ نہ تو شخصیت نے شاعری کو ٹھٹھرایا ہے، نہ شاعری نے شخصیت کا گلا گھونٹا ہے۔ عالی کے یہاں ان دونوں میں مکمل یگانگت ہے۔ عالی نے شاعری کو اپنی شخصیت کے ناآسودہ تقاضوں کے اظہار یا تسکین کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ان کی شخصیت کے تمام پہلو ان کی شاعری میں اُجاگر ہیں، اور اسی طرح ان کی شاعری میں بھی کوئی ایسا عنصر نہیں ملے گا جو ان کی شخصیت میں نہ ملتا ہو۔ ایک لحاظ سے یہ خامی بھی ہے۔ اپنی شخصیت کے اندر محدود ہو کے رہ جانا شاعر کے لیے کوئی اچھی بات نہیں۔ اس طرح آدمی اچھے شعر تو کہہ سکتا ہے، لیکن پوری شاعرانہ عظمت حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میرا تو یہی جی چاہتا ہے کہ عالی اب اپنی شاعری میں وسعت کے ساتھ ارتکاز بھی پیدا کریں، کیونکہ اوپر اٹھنے کے لیے پہلے اپنے آپ کو سمیٹنا لازمی ہوتا ہے۔ بہرحال عالی کی موجودہ شخصیت اور شاعری میں اتنے مختلف رنگ موجود ہیں کہ اُن کے کلام سے اُکتاہٹ نہیں ہونے پاتی۔ یہ رنگا رنگی بذاتِ خود ایک لطف کی چیز ہے۔ پھر عالی کے یہاں اس بات کا شائبہ تک نہیں ملتا کہ وہ کسی جذبے سے کترا رہے ہوں یا اس کے اظہار میں حجاب سے کام لے رہے ہیں۔ کھلے دل سے بات کرنے اور جھینپنے اور گھبرائے بغیر

جذبات کا بے لاگ طریقے سے اظہار کرنے کی بدولت ان کے کلام میں ایک ایسی سادگی اور معصومیت آگئی ہے جس کی آرزو ہر شاعر کو ہونی چاہیے۔ اور اس معصومیت کا راز بھی ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے کسی گوشے کو نہ تو زندگی میں غیر آسودہ رکھتے ہیں نہ شاعری میں، اور اپنی شخصیت کو اس کی خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول کر لیتے ہیں۔ الم ہو یا نشاط، کامیابی ہو یا محرومی کسی چیز کے بیان میں ان کی آواز ڈر سے کپکپاتی نہیں۔ وہ ہمیشہ جم کر بولتے ہیں۔ جذبات کا خوف عالی میں نام کو نہیں۔ میرے خیال میں یہ ان کی سب سے بڑی خوبی ہے، اور مجھے یقین ہے کہ اس قوت کے بل پر وہ اگر چاہیں تو اس سے بھی بہتر شاعری تخلیق کر سکتے ہیں۔

جذبات کے بے جھجک، بے لاگ، براہِ راست اور معصومانہ اظہار کا یہ مطلب نہیں کہ عالی نے دماغ کو چھٹی دے دی ہے۔ چونکہ عالی ہر قسم کے جذبے کو بے کھٹکے قبول کر لیتے ہیں، اس لیے متضاد تجربوں کے آپس میں ٹکرانے کا موقع تو یونہیں فراہم ہو جاتا ہے، پھر جذبے کے اندر رہتے ہوئے بھی اسے باہر سے دیکھنے کا جانچنے کا شوق عالی نے غالب سے ورثے میں پایا ہے۔ وارفتگی کے عالم میں بھی وہ اپنا مشاہدہ کیے بغیر باز نہیں رہ سکتے۔ جذبات کے مشاہدے اور موازنے سے ان کے یہاں ایک حد تک مضمون آفرینی کا رنگ بھی آگیا ہے جس میں غالباً فارسی شاعری کے مطالعے کو بھی دخل ہے۔ ذہن جذبے میں کھو بھی جائے اور اس سے الگ رہ کر کام بھی کر رہا ہو، اس بات سے ان کے عشق تک میں ایک رکھ رکھاؤ اور سلیقہ آگیا ہے۔ ان کے کسی شعر سے یہ نہیں ٹپکتا کہ عشقیہ جذبات نے انھیں پیس کر رکھ دیا ہو۔ عشقیہ زندگی میں سب سے بڑی قوت تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی ڈھے جانے کے بعد پھر اُٹھ

کھڑا ہو، اور اس طرح کہ زمین پر قدم پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی سے جمے ہوں۔ لیکن ایسا تو اُردو شاعری میں بس دو بار ہی ہُوا ہے، ایک تو میرؔ کے یہاں دوسرے فراقؔ کے یہاں۔ لیکن اگر یہ نہیں تو آدمی میں اتنی طاقت تو ہو کہ ڈھے جانے کے بعد لیٹا کا لیٹا ہی نہ رہ جائے۔ عالیؔ کو سنبھلنا آتا ہے۔ اسی لیے گداز کے باوجود، ان کے عشق میں سڑاند پیدا نہیں ہوتی۔ کسی قسم کی پینترے بازی کے بغیر عالیؔ اپنے آپ کو غم کی گراوٹ سے بچا لے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اندازِ بیان میں جو نفاست، شگفتگی اور بانکپن ہے، اس میں فارسی ترکیبوں کے علاوہ بہت بڑا دخل ان کے مزاج کی صحت مندی کا بھی ہے۔ محبوب کے مقابل اکڑنے، برتنے کا انداز ان کے یہاں نہیں، بلکہ اپنی ہستی پر ناز، یا اپنی شخصیت کا سرور ہے جو اُن کے عشق میں پچپچا پن نہیں آنے دیتا، اور دوسری طرف ان کی شاعری کو ایک ایسی شوخی، چلبلا پن، اور طربیہ کیفیت بخشتا ہے جو فی زمانہ کمیاب ہے۔ عالیؔ کی شاعری بے حاصلی کا رونا جھینکنا نہیں۔ ان کے غم میں بھی جوانی کا نکھار ہے۔ عالیؔ کا نشاط ہی نہیں بلکہ اَلم بھی ایک لہک رکھتا ہے۔ جذب اور قرار کا ایسا امتزاج عالیؔ کی عمر کے شاعروں میں ذرا کم ہی ملے گا۔

اس مجموعے میں غزلوں کو جس طرح ترتیب دیا گیا ہے، اس سے یہ اندازہ ہونا مشکل ہے کہ عالیؔ کی نشو و نما کس انداز سے ہُوئی ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ عالیؔ کے یہاں اندازِ بیان کا تنوع بڑھتا جا رہا ہے، اور وہ کئی شاعروں کے رنگ میں اپنا امتحان لے چکے ہیں، ادھر عالیؔ نے کئی غزلیں غالبؔ کی زمینوں میں کہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ نئی زمینیں ایجاد نہیں کر سکتے، بلکہ اس طرح وہ اپنے

آپ کو مانجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر دو چار غزلوں میں انھوں نے قافیہ اور آہنگ کے چھوٹے موٹے تجربے بھی کیے ہیں۔ مثلاً وہ غزل جس کی ردیف ہے "نیند آنے لگی"۔ یوں تو عالی کو ادبی تجربوں کا شوق ہمیشہ سے رہا ہے۔ اسی مجموعے میں ایک افسانہ شامل ہے جسے نظم کے طور پر بھی پڑھا جا سکتا ہے اور نثر کے طور پر بھی۔ نظم معرّیٰ میں ایک لمبا ڈرامہ وہ پہلے لکھ چکے ہیں۔ لیکن ایسے تجربے وہ پہلے تفنّنِ طبع کے طور پر کیا کرتے تھے، اب انھوں نے ذرا جم کے اسالیبِ بیان کی طرف توجہ شروع کی ہے، اور اپنے لیے نئی راہیں ڈھونڈھ رہے ہیں۔ نہ صرف غزل میں بلکہ اور اصنافِ سخن میں بھی۔ مجھے امید ہے کہ عالی کا دوسرا مجموعہ اور زیادہ متنوع، پہلو دار، اور وقیع ہوگا۔

رہے عالی کے دوہے، تو میں یہ فیصلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا کہ ہندی کے مشہور دوہوں کے مقابلے میں ان کی کیا قدر و قیمت ہے۔ البتہ اپنی جگہ عالی کے دوہے اپنا ایک الگ لطف رکھتے ہیں۔ انھوں نے ایک عقلمندی یہ کی ہے کہ تلسی داس یا کبیر کی زبان میں نہیں لکھا۔ اس پرانی زبان کے پھیر میں پڑ کر بعض دفعہ آدمی تلسی داس یا کبیر کے خیالات اور جذبات اپنے اُوپر اس طرح حاوی کر لیتا ہے کہ شاعرانہ خلوص میں کمی آجاتی ہے، اور دوہے نویسی محض ایک ادبی مشق بن کے رہ جاتی ہے۔ عالی نے اپنے دوہوں کے لیے مروّجہ اُردو میں ہندی کے دس پانچ مقبول الفاظ ملا کر ایک خاص زبان وضع کی ہے جس کی وجہ سے ان کے دوہوں کی تازگی دوبالا ہو گئی ہے۔ پھر عالی نے ہندی شاعروں کے خیالات اور احساسات کی روایت کا تتبع کرنے کی بجائے، اپنا ذاتی تجربہ پیش کیا ہے۔ یعنی

عالیؔ کے دوہوں میں اسالیب بھی خود اُن کے ہیں اور نفسِ مضمون بھی۔ لہٰذا عالیؔ کے دوہوں کا تلسی داسؔ اور کبیرؔ کے دوہوں سے مقابلہ و موازنہ کرنا کافی نہیں۔ عالیؔ نے دوہے کو ایک نئی شکل میں زندہ کیا ہے۔ اس لیے ہمیں دیکھنا یہ چاہیے کہ عالیؔ کے دوہوں میں زندگی ہے یا نہیں۔

عالیؔ کے دوہوں میں مضامین کا تنوع غزلوں سے بھی زیادہ ہے، چونکہ اس صنف کو انھوں نے گویا اپنی اختراع کے طور پر برتا ہے، لہٰذا یہاں اُنھیں آزادی بھی زیادہ حاصل رہی ہے۔ یوں تو اُنھوں نے دوہوں میں ہمارے زمانے کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر تبصرہ کیا ہے، لیکن وعظ یا اخلاقی درس کا رنگ کہیں نہیں پیدا ہونے دیا۔ ان کی حیثیت شاہد کی رہی ہے جو زندگی کی رنگارنگی سے لطف لیتا ہے اور آگے چل پڑتا ہے۔ حسن و عشق کے معاملے میں بھی یہاں ان کا یہی رویہ رہا ہے۔ لیکن جہاں تک حُسن کے مشاہدے کا تعلق ہے ان کی ایک نظر بھی مشہود کا سارا رنگ رُوپ نچوڑ لائی ہے۔ وہ ہرے بھرے اور جیتے جاگتے احساسات جو عالیؔ کے دوہوں میں ملتے ہیں وہ ان کی غزلوں میں بھی نہیں دکھائی دیتے۔ اپنی جمالیاتی حس کے آزادانہ اظہار کے لیے عالی نے چُنا ہی اس صنف کو ہے۔ عالیؔ کی جذباتی معصومیت جو غزلوں میں بھی نمایاں رہی ہے، یہاں آکے دوچند ہو گئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ دوہے ہمارے زمانے کی اُردو شاعری میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ یوں کہنے کو دوہے اس زمانے میں اور لوگوں نے بھی کہے ہیں، لیکن عالیؔ کا سا رچاؤ اور بے ساختگی کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اب عالیؔ اس فکر میں ہیں کہ اس صنف سے کوئی اور بھاری کام لیا جائے۔ مثلاً انھوں نے سو ڈیڑھ سو مسلسل

دوہوں کا ایک خاکہ بنایا ہے جس میں کراچی کی زندگی پیش کی جائے گی۔

غزلیں ہوں یا دوہے، عالی دونوں طرف آگے بڑھنے اور پھیلنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کے ذہن کی لچک سے مجھے قوی اُمید ہے کہ آیندہ وہ اردو شاعری میں اور بھی گراں قدر اضافے کریں گے۔ ذاتی طور پر میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ عالی نئی نسل کے ان دو ڈھائی شاعروں میں سے ایک ہیں جن کی شاعری سے مجھے آج بھی دلچسپی ہے، اور جن کی نشو و نما کا میں بغور مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔

محمد حسن عسکری

یوں تو نہ رہ سکوں گا میں اے نگہِ غلط خرام
یا کوئی منزلِ سکوں یا کوئی راہِ بے مقام

خواہشِ زندگی کے ساتھ کاہشِ زندگی بھی تھی
اب نہ وہ میری آرزو اب نہ وہ میرے اہتمام

کیا ہے وہ اک غمِ دروں جس کے جلو میں سو جنوں
کیا ہے وہ آگ اور کیوں جس کا رکھا ہے عشق نام

کچھ تو یہ نشترِ وجود جس کی خلش سے جاں فگار
کچھ تری رہ کی مشکلیں جن سے ہے روح بے قیام

اپنا تو خیر ذکر کیا جوشؔ و جگرؔ سنائیں گے
آپ تو شاید آئیں گے ہم نے رکھی ہے بزمِ عام

ہائے یہ سیلِ رنگ و نور ہائے یہ لذتِ حضور
کچھ ترے نام کا سرور کچھ مری گرمیٔ کلام

اب جو یہ اعتراض ہے اتنے برس میں کیا کیا
تیرے بغیر صبح و شام اپنے کہاں تھے صبح و شام

تم جو فقیرِ دوست ہو تم جو ہو صاحبِ نگاہ
ہم بھی ہیں آلِ میر درد ہم بھی ہیں صاحبِ مقام

ذہن تمام بے بسی روح تمام تشنگی
سو یہ ہے اپنی زندگی جس کے تھے اتنے انتظام

جانتے ہیں تمام لوگ گو کوئی مانتا نہیں
سُن تو رکھا ہے تم نے بھی عالیؔ دہلوی کا نام

○

بھٹکے ہُوئے عالی سے پوچھو گھر واپس کب آئے گا

کب یہ در و دیوار سجیں گے کب یہ چمن لہرائے گا

سوکھ چلے وہ غنچے جن سے کیا کیا پھول اُبھرنے تھے

اب بھی نہ ان کی پیاس بجھی تو گھر جنگل ہو جائے گا

کچھ کرنیں ایسی ہیں جواب تک راہ اسی کی تکتی ہیں

یہ اندھیارا اور رہا تو پھر نہ اُجالا آئے گا

سمجھا ہے اپنے آپ سے چھُٹ کر سارا زمانہ دیکھ لیا

دیکھنا اپنے آپ میں آکر یہ کیا کیا شرمائے گا

ایسی گیان اور دھیان کی باتیں ہم جانے پہچانوں سے

تو آخر بھولا ہی کیا تھا تجھ کو کیا یاد آئے گا

کچھ چھوٹے چھوٹے دکھ اپنے کچھ دکھ اپنے عزیزوں کے

ان سے ہی جیون بنتا ہے سو جیون بن جائے گا

چار برس سے بیگانے ہیں لیکن ہم کیا بیگانے ہیں
روٹھنے والا جیون ساتھی دو دن میں من جائے گا

اے دل کے طوفانو اُٹھو اے آنکھو اب برسو بھی
تھوڑی دیر میں چاند کا مکھڑا بدلی میں چھپ جائے گا

رات کی کوکھ سے پھوٹا ہے اک سوتا نرم خیالوں کا
دن ہوتے ہوتے یہ کس کس دھارے سے مل جائے گا

کس کس راگ میں کیا کیا سُر ہیں کس کس سُر کے کیا کیا راگ
سیکھے نہ سیکھے گانے والا بے سیکھے بھی گائے گا

میرا جی کے ماننے والے کم ہیں لیکن ہم بھی ہیں
فیض کی بات بڑی ہے پھر بھی اب ویسا کون آئے گا

○

ذہن پر چھا گئی موت کی بے حسی نیند آنے لگی
ڈھونڈتا ہوں اندھیروں میں آسودگی نیند آنے لگی

بھاگتے بھاگتے موت کے سائے سے خود ہی دھندلا گئے
سوچتے سوچتے زندگی زندگی نیند آنے لگی

ہیں اسی عہد میں سو تصور حسیں کوئی اپنا نہیں
تھک گئی ہے مرے شوق کی سادگی نیند آنے لگی

ترے کرم کو کرم ہی کہا ستم کو ستم
زہے خلوصِ تمنّا کہ امتحاں نہ کہا

ہزار خشک رہا اپنی زندگی کا چمن
تری بہار کو لیکن کبھی خزاں نہ کہا

ہمیں بھی ندرتِ اسلوب تھی عزیز مگر
انھیں جہاں ہی پکارا غمِ جہاں نہ کہا

○

خدا کہوں گا تمھیں ناخدا کہوں گا تمھیں
پکارنا ہی پڑے گا تو کیا کہوں گا تمھیں

مری پسند مرے نام پر نہ حرف آئے
بہت حسین بہت باوفا کہوں گا تمھیں

ہزار دوست ہیں وجہِ ملال پوچھیں گے
سبب تو صرف تمھیں ہو میں کیا کہوں گا تمھیں

ابھی سے ذہن میں رکھنا نزاکتیں میری
کہ ہر نگاہِ کرم پر خفا کہوں گا تمھیں

ابھی سے اپنی بھی مجبوریوں کو سوچ رکھو
کہ تم ملو نہ ملو مدعا کہوں گا تمہیں

اُلجھ رہا ہے تو اُلجھے گروہِ تشبیہات
بس اور کچھ نہ کہوں گا ادا کہوں گا تمہیں

قسم شرافتِ فن کی کہ اب غزل میں کبھی
تمہارا نام نہ لوں گا صبا کہوں گا تمہیں

○

کسی کو نازِ خرد ہے کسی کو فخرِ جنوں
میں اپنے دل کا فسانہ کہوں تو کس سے کہوں
نہ اضطراب میں لذت نہ آرزوئے سکوں
کوئی کہے کہ میں اب کیا فریب کھا کے جیوں
رہے گی پھر نہ یہ کیفیتِ طلب اے دل
چھپے ہوئے ہیں تو ہے اشتیاقِ دید فزوں
ہے آج دل پہ گماں حسن ناشناسی کا
جلا چکے جب اسے جلوہ ہائے گوناگوں
ہو اب بھی فکر میں مشکل تو یاد آتے ہیں
وہ ہر ادا میں تغزل کے سیکڑوں مضموں
تم ایسے کون خدا ہو کہ عمر بھر تم سے
اُمید بھی نہ رکھوں نا اُمید بھی نہ رہوں

○

وہ آئے حضرتِ عالی بہ جیب و دامنِ چاک
بہ زعمِ خود بڑے باہوش و صاحبِ ادراک

رہی خزاں میں تمنّا کہ پھول چُن لیتے
بہار آئی تو ہے دامنِ تمنّا چاک

وہی تعلّقِ خاطر ہے آج بھی تجھ سے
بہ ایں حوادثِ ایّام و گردشِ افلاک

ادا نہیں ہے یہ ہے زندگی ان آنکھوں میں
بہت حسین بہت مضطرب بہت غمناک

ترے نثار مرے فن کی یوں نہ کر توصیف
مرے یہ نقد و جواہر ترے خس و خاشاک

ہزار وہ سہی محبوب ہے مری ہی طرح
نظر خلوصِ مجسّم زباں بہت بے باک

○

کہیں تو ہو گی ملاقات اے چمن آرا
کہ میں بھی ہوں تری خوشبو کی طرح آوارا

ہزار عیب کمائے ہیں ایک خوبی سے
جو آپ ہوں میں سو ہوں اپنے مزاج کا مارا

ہُوا نہ تیس بہاروں میں ایک بار ہمیں
یہ اشتیاق کہ آئے بہار دوبارا

بغیر مرکزِ اُمّید و بے سکونِ دروں
میں اک خلا ہوں جو ثابت بنے نہ سیارا

ہے ایک شہر میں اور مدّتوں نہیں ملتا
وہ شخص جس کو رکھا ہم نے جان سے پیارا

سو آج چھوڑ گیا آفتاب[1] بھی ہم کو

بنا ہُوا تھا بہت وہ بھی آنکھ کا تارا

یہ عمر عمر کے رشتے جو ٹوٹ جاتے ہیں

گلہ ہی کیا ہے کہ ظالم ہے وقت کا دھارا

تپاں ہو روح تو جلتے ہیں لب بھی آنکھیں بھی

کرے وہ ضبط رہے جس کو ضبط کا یارا

ہر ایک جلوے سے بڑھتی ہے دل میں تاریکی

نقاب ڈال بھی دو ہٹ بھی جاؤ مہ پارا

بُرا نہ کہہ جو ہے دل کو ترے جنوں سے گریز

بہت اسیرِ تمنّا رہا ہے بے چارا

ہے ان کے ہاتھ مرے دستِ افتخار کی لاج

جنھیں خود اپنی انا کا چمن نہیں پیارا

---

[1] آفتاب احمد میرے ایک دوست جن کا تبادلہ ہُوا تھا

کسی میں عیب نکالیں تو کیا کہ ہم اپنا
ز فرق تا بہ قدم کر چکے ہیں نظّارا

گیا زمانہ کہ شجروں کی ساکھ باقی تھی
گیا زمانہ کہ بجتا تھا فن کا نقّارا

کوئی سنائے تو غالبؔ کا حال غالبؔ کو
کہ ان کی آگ میں یہ جل رہا ہے بے چارا

زندگی مختصر تو ہے لیکن
تو اسے اور مختصر کر دے

○

نہیں بیاضِ سحر ہوں نہ ہیں سوادِ شبی
بس ایک آہ مگر وہ بھی آہ زیر لبی

چھلک سکا ہے نہ اب تک جو اشکِ نیم شبی
اسی میں ہیں ترے سب خندہ ہائے زیر لبی

رہے سب اُن کی شرابِ نگاہ کے قائل
کوئی سمجھ نہ سکا میرا رازِ تشنہ لبی

سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ رازِ مسلکِ شوق
کبھی وفا طلبی ہے کبھی جفا طلبی

سخن میں تمکنت و ضبطِ شوق کے احکام
مگر نظر میں وہی شوخی و خطا طلبی

سنا نہیں کبھی غالبؔ کا ذکر اے عالیؔ
یہی ہُوا ہے ہمیشہ مآلِ خوش لقبی

○

وہ آہِ نیم شبی ہو کہ گریۂ سحری

ہر ایک کاوشِ دل کا مآل بے اثری

جہاں میں رہ گئے رسومِ جہاں سے بے خبری

ہمیں ہی وجہِ ضرر ہے ہماری بے ضرری

خزاں میں کوئی پریشاں نہیں تمہارے سوا

بہار ہو تو سبھی کو ہے شوقِ جامہ دری

مری بھی حدِّ محبت تری بھی حدِّ ستم

مری بھی کم نظری ہے تری بھی کم نظری

ہر اک مقام میسر ہے یادِ جاناں میں

اسی میں باخبری ہے اسی میں بے خبری

علاجِ شورشِ دل کا نہیں کوئی امکاں

کبھی ہوئی تو اسی دل سے ہوگی چارہ گری

ہزار اشک یہاں بہہ گئے مگر عالیؔ

چمک رہا ہے ابھی تک ستارۂ سحری

○

کوئی نہیں کہ ہو اس دشت میں مرا دمساز
ہر ایک سمت سے آتی ہے اپنی ہی آواز

کبھی طلسمِ غرور اور کبھی فسونِ نیاز
ادائے سادگیٔ دوست تیری عمر دراز

کھُلا یہ دوست نوازیٔ اہلِ ذوق سے راز
کہ قدر کے لیے کافی نہیں لبِ اعجاز

خزاں میں منظرِ گل دردناک ہے لیکن
یہیں سے ہے مری روداد شوق کا آغاز

یہ لب جو تشنہ ہے اک آہِ مختصر کے لیے
اسی میں تھے کبھی لاکھوں فسانہائے دراز

رہا نہ دل میں غمِ تنگیٔ گلستاں سے
وہ ولولہ جسے کہتے ہیں طاقتِ پرواز

کس انجمن میں دلِ سادہ کو سکون ملے
کہیں ہے قیدِ حقیقت کہیں ہے قیدِ مجاز

بہ ایں فسردہ دلی کیا غضب ہے اے عالیؔ
مجھے دیے چلی جاتی ہے زندگی آواز

○

مری نوائے محبت کبھی نہ پست نہ تیز
بس اک رچی ہوئی کیفیتِ الم انگیز

خوشا نوازشِ فکر و نظر کہ اب مجھ کو
نہ زندگی کی تمنّا نہ زندگی سے گریز

عجیب ہے مری بے مدّعا حیات اے دوست
کہ اور بڑھتا چلا جا رہا ہے شوقِ ستیز

ہزار ہنستی ہوئی صورتیں نظر آئیں
مگر ہر ایک تبسّم کی لو تھی اشک آمیز

ہر ایک یورشِ دوراں کو سہہ رہی ہے حیات
ہزار بار چھلک کر بھی جام ہے لبریز

کبھی وصال کے لمحوں میں سوزِ محرومی
کبھی فراق کی راتیں بھی انبساط آمیز

یہاں تو کچھ بھی نہیں شورشِ جرس کے سوا
سمجھ رہا تھا کہ رفتارِ کائنات ہے تیز

سمجھ نہ عالیؔ گم نام کو تہی مایہ
یہ مردِ سادہ ہے خاکسترِ شرار انگیز

○

گلہ نہیں جو وہ بیگانہ وار گزرے ہیں
ہم ایسے اہلِ سخن بے شمار گزرے ہیں

ترس نہ کھاؤ مری شدتِ تباہی پہ
کہ عمر بھر یہی لیل و نہار گزرے ہیں

تمام عمر رہا خوفِ ناپذیرائی
جدھر سے گزرے ہیں دیوانہ وار گزرے ہیں

ہمیں سے تذکرۂ قحطِ عاشقاں توبہ
ہمیں تو کل ترے کوچے سے یار گزرے ہیں

رہینِ وضعِ بزرگاں ہے اپنا دل یعنی
ترے ہی شہر میں تجھ سے ہزار گزرے ہیں

ہمارا نام بھی رکھیے فسانہ خوانوں میں
کہ ہم بھی اپنے سوانح نگار گزرے ہیں

ہم اپنے جوشِ تمنا میں بھول بیٹھے تھے
کہ ہم سے اور بھی امیدوار گزرے ہیں

اس انجمن میں تجھے کون پوچھتا عالی
ہزار تجھ سے غریب الدیار گزرے ہیں

○

بے سبب تجھ سے ہر اک بات پہ نالاں ہونا
اپنا پیشہ ہی جو ٹھہرا ہے پریشاں ہونا

اتنی رسوائیاں سہہ لی ہیں تو اک یہ بھی سہی
ہم کو منظور ہے منت کشِ درباں ہونا

تجھ میں کیا بات ہے جو مجھ میں نہیں ہے ظالم
ہاں مگر تیرے لیے میرا پریشاں ہونا

ہائے اس بزم کے آداب جہاں لازم ہو
کبھی حیران نظر آنا کبھی حیراں ہونا

عمر بھر کے لیے کافی ہے وہی ایک جھلک
تم کو لازم نہیں ہر شے سے نمایاں ہونا

خامشی میری کہیں اور پشیماں نہ کرے
تم اگر ہو بھی تو خلوت میں پشیماں ہونا

لوگ دیکھیں تو نہ جانے اسے کیا سمجھیں گے
آئنہ دیکھنا تیرا، مرا حیراں ہونا

جیسے ساحل سے چھڑا لیتی ہیں موجیں دامن
کتنا سادہ ہے ترا مجھ سے گریزاں ہونا

ہیں ترے رخ پہ وہ تقدیس کے پرتو کہ تجھے
زیب دیتا ہی نہیں دشمنِ ایماں ہونا

کیا خبر ان کو کہ ہے کتنا عجیب اے عالیؔ
اک گراں شے کا کسی کے لیے ارزاں ہونا

○

کی جو تاخیر تو شرمندۂ تاخیر بھی تھا
کیا جتاتے کہ ادھر کوئی عناں گیر بھی تھا

عمر بھر تہمتِ وحشت سے نباہی ہم نے
گو ہمیں رنج گراں باریِ زنجیر بھی تھا

ہائے یہ جبرِ خموشی کہ ہم اس محفل میں
ایسے نازاں ہیں کہ گویا لبِ تقریر بھی تھا

آج جو مانگتے ان سے وہی ملتا لیکن
دلِ مسرور کچھ آزردۂ تاثیر بھی تھا

حیف عالیؔ بھی غزل اس کی غزل پر لکھیں
وہ جو غالبؔ بھی تھا اور معتقدِ میرؔ بھی تھا

○

بہ ایں گداز عجب رنگ کا بیاں ہوتا
کوئی رقیب جو اپنے بھی درمیاں ہوتا

جُھکا ہُوا ہے جو سر آج تیرے قدموں پر
اگر نہ وقت بگڑتا تو آستاں ہوتا

ہر ایک رہ پہ گئے اور یہ بھُولتے ہی گئے
وہ ایک نقشِ قدم تھا کہاں کہاں ہوتا

ترے نثار دلِ غیر مطمئن پہ نہ جا
اسے جو عشق بھی ملتا تو امتحاں ہوتا

لیا نہ وعدۂ دیدار جان کر ورنہ
پھر انتظار کا یارا ہمیں کہاں ہوتا

کوئی تو رنگِ سخن دے کہ لوگ کہتے ہیں
لگی تھی آگ تو کچھ آگ کا نشاں ہوتا

تری نظر کے تلاطم میں رہ گیا ورنہ
مرا بھی نام تجمّل حسین خاں ہوتا

اکیلے تم ہی تو اس شہر میں نہیں عالی
بُرا ہی تھا جو وہ تم سا ہی نکتہ داں ہوتا

○

مل نہ سکتی کوئی تمثیلِ وفا میرے بعد
میں تو خوش ہوں وہ مجھے بھول گیا میرے بعد

خود ترے شہر کے لوگوں کی روش کہتی ہے
بدلی بدلی سی ہے گلیوں کی فضا میرے بعد

اصطلاحاتِ محبّت میں صداقت نہ رہی
لفظ و معنی ہوئے رو رو کے جدا میرے بعد

عشق نے حسن سے تیور ہی بدل رکھے ہیں
نہ رہے ناز و ادا ناز و ادا میرے بعد

خوش رہیں حسنِ مدارات پہ مرنے والے
وہ اگر ہو کبھی تو کس سے ہو خفا میرے بعد

نہ ہوا چاک کوئی دل نہ کوئی جان ہلاک
مدتوں تذکرۂ دوست ہوا میرے بعد

کس میں طاقت تھی کہ محتاجِ توجہ ہی رہے
کوئی مجرم نہیں محرمِ سزا میرے بعد

بانکپن تھا جو وہ اک چاہنے والوں میں ہاں
وہ ہُوا شیوۂ تسلیم و رضا میرے بعد

ہائے وہ مشغلۂ طنز و تمسخر مجھ سے
جو بنا تذکرۂ صدق و صفا میرے بعد

اتنی بے مہری و بے گانہ مزاجی کا سبب
یوں کہا اُس نے کہ بس کچھ نہ کہا میرے بعد

کفر کہہ جائیں مگر اس کو پیمبر جانیں
جس کے دامن میں ہو خوشبوئے وفا میرے بعد

میری آشفتگیٔ شوق کو الزام نہ دو
تمھیں ہوتے مری تصویرِ وفا میرے بعد

○

کیوں بجھ گئے ہو آتشِ پنہاں کو کیا ہوا
عالیؔ تمھارے سوزِ دل و جاں کو کیا ہوا

ہے کیوں قبائے زر سے مکلّف تمام جسم
اُس افتخارِ چاکِ گریباں کو کیا ہوا

وہ شہرتِ جنونِ گل و غنچہ کیا ہوئی
اُس وحشتِ خرابِ گلستاں کو کیا ہوا

کیوں آگیا ہے ضبط و سلیقہ خطاب میں
اس شدّتِ خلوصِ فراواں کو کیا ہوا

کیوں ہو چلے ہو شیفتۂ جلوت و جلوس
آشفتگیِ طبعِ گریزاں کو کیا ہوا

کیوں عمر بھر کے دوست نہیں اب شریکِ حال
اس احترامِ خاطرِ یاراں کو کیا ہُوا

ہر روز لوگ دیکھتے ہیں تم کو شہر میں
اس اہتمامِ سیرِ بیاباں کو کیا ہُوا

اب این و آں کا رہنے لگا کس لیے خیال
اُس لذّتِ تصوّرِ جاناں کو کیا ہُوا

وہ فکر اور وہ حوصلہ مندی کہاں گئی
راتوں کے سوز صبح کے ارماں کو کیا ہُوا

کم کم ہے انکسار میں اب بانکپن کی لاگ
اس خود فروز مشعلِ ایماں کو کیا ہُوا

چتون پہ وہ غرور نہ آنکھوں میں وہ سرور
دیکھو یہ اک حسین غزلخواں کو کیا ہُوا

○

بہت دنوں سے مجھے تیرا انتظار ہے آجا
اور اب تو خاص وہی موسمِ بہار ہے آجا

کہاں یہ ہوش کہ اسلوبِ تازہ سے تجھے لکھوں
کہ روح تیرے لیے سخت بے قرار ہے آجا

گزر چلی ہیں بہت غم کی شورشیں بھی حدوں سے
مگر ابھی تو ترا سب پہ اختیار ہے آجا

وہ تیری یاد جو اب تک سکونِ قلبِ تپاں تھی
تری قسم ہے کہ اب وہ بھی ناگوار ہے آجا

غزل کے شکوے غزل کے معاملات جُدا ہیں
مری ہی طرح سے تو بھی وفا شعار ہے آجا

بدل رہا ہو زمانہ مگر جہانِ تمنّا
ترے لیے تو ابد تک بھی سازگار ہے آجا

ہزار طرح کے افکار دل کو روندتے ہیں
مقابلے میں ترے رنجِ روزگار ہے آجا

○

وحشت نے لا کے چھوڑ دیا ہے کہاں مجھے
ہر سمت ڈھونڈتے ہیں بہار و خزاں مجھے

کیا کیا رہی نشاطِ نظارہ اور آج کل
یہ بھی خبر نہیں وہ ملے تھے کہاں مجھے

دل ہی کسی کے ساتھ نہ جائے تو کیا علاج
ملنے کو ہر قدم پہ ملے کارواں مجھے

جب ناگوار تھی کبھی جو تری کم توجہی
کیا بات ہے کہ آج نہ گزری گراں مجھے

کیا کیجیے ان سے تذکرۂ کاہشِ فراق
کہہ دیں گے وہ اسیرِ زمان و مکاں مجھے

اچھا مجھے قبول عذابِ رہ و مقام
اب تم بتا بھی دو کہ ملو گے کہاں مجھے

○

اب تک مجھے نہ کوئی مرا رازداں ملا
جو بھی ملا اسیرِ زمان و مکاں ملا

کیا جانے کیا سمجھ کے ہمیشہ کیا گریز
سو بار بجلیوں کو مرا آشیاں ملا

اُکتا گیا ہوں جادۂ نو کی تلاش سے
ہر راہ میں کوئی نہ کوئی کارواں ملا

مدّت میں ہم نے آپ بنایا تھا اک اُفق
جاتے تھے اُس طرف کہ ترا آستاں ملا

کن حوصلوں کے کتنے دیے بجھ کے رہ گئے
اے سوزِ عاشقی تو بہت ہی گراں ملا

۱۰ ۷ ۹۱

کیا کچھ لٹا دیا ہے تری ہر ادا کے ساتھ
کیا مل گیا ہمیں جو یہ حسنِ بیاں ملا

تھا ایک رازدارِ محبت سے لطفِ زیست
لیکن وہ رازدارِ محبت کہاں ملا

اک عمر بعد اسی متلوّن نگاہ میں
کتنی محبتوں کا خزانہ نہاں ملا

اب جستجو کا رُخ جو مڑا ہے تو مت پکار
سب تجھ کو ڈھونڈتے تھے مگر تو کہاں ملا

○

عالیؔ تیری یاد رہی اک عرصے تک دیوانوں میں
ایسے وحشی کم دیکھے جو رہ نہ سکیں ویرانوں میں

اپنا گھر کیا گھر تھا لیکن ہاں اک گھر کا نام سا تھا
تیری توجہ سے اب وہ بھی شامل ہے ویرانوں میں

ایک تمنا ایک سہارا ایک تصور ایک جنوں
پھر بھی وہ میرے دل کی باتیں رکھتے ہیں افسانوں میں

تجزیۂ احساس پہ ہر غم حوصلۂ مجروح ہلا
لیکن یہ کیا آگ ہے جس کا کھوج نہیں ارمانوں میں

کیفیت کی بات الگ ہے چاہو جس پر دل رکھو
ہم کو بھی تو پیار سے دیکھو ہم بھی ہیں انسانوں میں

اتنی قدر ہوئی پر اب تک ان سے داد کی خواہش ہے
اتنی عمر گنوائی عالیؔ پھر بھی رہے نادانوں میں

○

ہائے اس شرم و تکلف پہ یہ ارماں مجھ کو
کوئی سمجھے تو سہی سوختہ ساماں مجھ کو

گزری جاتی ہے ہر اک منزل آلام و نشاط
لیے جاتا ہے کہاں شوقِ فراواں مجھ کو

یہ تماشائے جنوں ہے کہ تقاضائے جنوں
دیکھے جاتا ہے کوئی دیدۂ حیراں مجھ کو

ہائے یہ شوخیٔ تقدیر کہ دو عالم میں
راس آئی تو وہی بزمِ رقیباں مجھ کو

چارہ گر تو نے بہت دیر کی آتے آتے
اب تو ہوتی ہی نہیں خواہشِ درماں مجھ کو

گھُٹ کے رہ جائے گا دم ضبطِ جنوں سے لیکن
اب نہ دیکھو گے کبھی چاک گریباں مجھ کو

لذّتِ تجربۂ عشق کو اظہار بھی دے
لوگ کہتے ہیں ابھی بے سر و ساماں مجھ کو

اب نہ جاؤں گا میں اُس شہر میں غزلیں پڑھنے
وہ سمجھ لیں گے یونہی سلسلہ جنباں مجھ کو

پھول کھلتے ہیں تو کانٹوں کو جلن ہوتی ہے
مژدۂ زیست ہے بے مہریٔ یاراں مجھ کو

کتنے معصوم ہیں یہ ماہ رخانِ دلّی
سب سمجھتے ہیں بس اپنا ہی غزلخواں مجھ کو

ہیں سوالات بہت عشق پہ میرے عالیؔ
کون جانے کہ یہ مشکل ہے نہ آساں مجھ کو

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

○

جس کے آنے کی خبر تھی اگر آیا ہوتا
ہم نے کیا کیا نہ اسی گھر کو سجایا ہوتا

ہائے کیا تیری توجہ سے ہلاکت آتی
دلِ بیدار اگر کام نہ آیا ہوتا

تم چمن میں ہو بیاباں میں ہو ہر شے میں ہو
تم نے اے کاش یہ مجھ کو نہ بتایا ہوتا

کہیں اس جیسوں کا منصب ہے اکیلے رہنا
ہم نہ ہوتے تو قدِ یار کا سایا ہوتا

اس سے پہلے کہ اسے لاؤ غزل فہمی پر
کوئی نغمہ کوئی سنگیت سنایا ہوتا

اور دعوے تو جدا اس کے لیے اے عالی
آپ نے بارِ تمنا ہی اٹھایا ہوتا

○

عمر بھر بآسانی بارِ غم اُٹھانے سے
ان پہ اعتبار آیا خود کو آزمانے سے

اس ہجوم میں تجھ کو کیا خبر ہوئی ہوگی
کس کو کیا تعلق تھا تیرے آستانے سے

یوں سلام آنے پر اک خلش سی ہوتی ہے
کاش ہم کو بلواتے وہ کسی بہانے سے

ہاں تو ان کی خاطر سے کیوں تراوشیں کرتے
جس طرح وہاں گزری کہہ گئے زمانے سے

جب بھی بزمِ عالم میں کوئی فتنہ اُٹھتا ہے
یا تمھاری محفل سے یا غریب خانے سے

سلسلہ یہی ہوگا رُخ بدلتے جائیں گے
ہیں تری حقیقت سے تو مرے فسانے سے

○

نہیں کہ تیری تمنّا کا سلسلہ نہ رہا
مگر یہی کہ ترا تذکرہ ذرا نہ رہا

تو آج ترکِ تعلّق پہ ہے مصر کہ یہاں
ترے سوا کوئی جینے کا آسرا نہ رہا

نہ اُن کو ہم سے ملائے نہ دل سے دُور کرے
خدا بھی وقتِ محبت یہاں خدا نہ رہا

امید رکھیں گے اب تیری بے نیازی سے
کرم تو خیر کرم ہے رہا رہا نہ رہا

سو اور کچھ تو نہ بگڑا تری محبت میں
یہی ہُوا کہ محبت کا حوصلا نہ رہا

بتا گئے ہیں بہت کشتگانِ دل کہ وفا
گناہ ہے اگر اندازۂ وفا نہ رہا

اس اک سکوت سے اس ایک جنبشِ لب تک
وہ کشمکش تھی کہ احساسِ مدعا نہ رہا

تجھے تو شوقِ وفا ہے مگر خدا کے لیے
میں کیا کروں گا اگر مجھ سے تو خفا نہ رہا

خراب شعر ہوں لیکن یہی سبب ہے کہ آج
ترا بھی نام مرے نام سے جُدا نہ رہا

اس ابتدا کے تماشے کہاں کہیں عالی
جس ابتدا میں ہمیں شوق انتہا نہ رہا

○

یہ حسرتِ دل شوریدہ سر بھی دیکھ چکے
ہم ان کی بزم کے شام و سحر بھی دیکھ چکے

ہے رہگزر ہی تری باعثِ سکوں لیکن
وہ کیا کریں جو تری رہگزر بھی دیکھ چکے

اب انتظار کی کچھ اور منزلیں اے دوست
کہ تیرے چاہنے والے سحر بھی دیکھ چکے

ہیں بدنصیب جو رہتے ہیں نامراد اثر
مگر جو لوگ دعا کا اثر بھی دیکھ چکے

رہا کمالِ ہُنر بھی نہ اب بہانۂ دید
ہم ان کی قدرِ کمالِ ہنر بھی دیکھ چکے

نظر سے قلب پریشاں خبر سے عقل خراب
نظر بھی دیکھ چکے ہم خبر بھی دیکھ چکے

زماں سے دُور کہیں اور آزما ہم کو
کہ شب بھی دیکھ چکے ہم سحر بھی دیکھ چکے

خفا خفا سہی لیکن ادھر بھی اے مہِ نو
کہیں بھی ہوں کسی بجھتے ہوئے چراغ کی لو

○

کیا کیا دیے فریب ہر اک اعتبار نے
اپنا بنا دیا ہے ترے انتظار نے

کیا جانے کتنے اہلِ طریقت کو آج تک
گمراہ کر دیا ہے ترے رہگزار نے

کچھ ان کی جستجو ہے نہ کچھ اپنی گفتگو
یہ کیا بنا دیا ستمِ روزگار نے

ہاں اے نگاہِ گرم نہ کر مختصر حجابات
ہم کو ہزار بوجھ ابھی ہیں اُتارنے

اُلجھے ہوئے ہیں گیسوئے جاناں میں آج تک
عالیؔ چلے تھے کاکلِ گیتی سنوارنے

○

جانِ خلوص و روحِ تمنا کہیں جسے
ہم اس کو ڈھونڈھتے ہیں کہ اپنا کہیں جسے

اکثر ملے گی محفلِ سرگشتگانِ گل
اس گوشۂ چمن میں کہ صحرا کہیں جسے

منجملہ ہزار غمِ عشق و روزگار
وہ غم بھی ہے کہ سعیٔ مداوا کہیں جسے

ہر صاحبِ نگاہ کے حق میں یہ زندگی
اک جبر ہے کہ جبر گوارا کہیں جسے

ان شارحینِ غم کو بھلا غم سے کیا غرض
اک شغل ہے کہ غم کا تماشا کہیں جسے

اس سوز و کرب و درد و تپش میں نہیں وہ بات
کیا چیز ہو کہ ان کی تمنا کہیں جسے

افسوس حلقہ ہائے خرد میں اسیر ہے
عالیؔ کہ ایک قلب سراپا کہیں جسے

○

ہمیں ملا نہ کبھی سوز زندگی سے فراغ
اگر بجھا ہے کہیں دل تو جل اٹھا ہے دماغ

وہی حیات جو نیرنگ خار و گل ہے کبھی
کبھی خلائے تمنّا ہے جو نہ دشت نہ باغ

جہاں بھی کھوئے گئے قافلے ارادوں کے
وہیں سے مجھ کو ملا تیری انجمن کا سراغ

گزر رہی ہے عجب طرح زندگی عالی
نہ بجھ رہا ہے چراغ اور نہ جل رہا ہے چراغ

○

کبھی ایک شب ادھر بھی سحرِ بہارِ خنداں
کہ ہے مدتوں سے سُونی تری بزمِ دردمنداں

کوئی زحمتِ مکرّر نہ اب اے نگارِ خنداں
بڑی دقتوں میں سدھرا ہے مزاجِ غم پسنداں

وہ نہ جانے کس ادا سے کوئی وعدہ کر گئے تھے
کہ تڑپ رہے ہیں اب تک مرے اشکِ نیم خنداں

کوئی کارگاہ بھی ہے تری کارگاہ یا رب
کہیں چند لوگ گریاں کہیں چند لوگ خنداں

نہ تو عرضِ حالِ غم پر ہو یوں مسکرا کے رخصت
کہیں اور بڑھ نہ جائے ہوسِ نیازمنداں

وہ نگاہِ قہر یارب رہے تا ابد سلامت
کہ اسی سے ہو رہی ہیں مری جرأتیں دو چنداں

ہے بہت ہی روح فرسا مجھے انتظارِ غنچہ
مگر اصل میں یہی ہے ہنرِ بہار بنداں

یہ تجلیات کس کی مرے گرد ہیں کہ عالی
ہیں چہار سمت رقصاں سرِ آتشیں کمنداں

○

یہ ذوق و شوق یہ سوز و سرور کا عالم
سنائے جائیں گے تیری حکایتیں پیہم

زمانہ گزرا کہ دل پہ تری توجہ تھی
جو اب نہیں ہے مگر دل کا ہے وہی عالم

زمانہ گزرا کہ ہم شرحِ شوق کرتے تھے
سو آج کی بھی خموشی ذرا نہیں مبہم

زمانہ گزرا کہ تجھ سے تھی رسم و راہ بہت
سو آج بھی ہے وہی انتظار کا عالم

زمانہ گزرا کہ اپنی وفا میں شدّت تھی
سو آج بھی ہے تری بے وفائی کا ماتم

زمانہ گزرا کہ شعلوں کی طرح جلتی تھیں
سو آج بھی مری آنکھیں ہیں موجۂ شبنم

زمانہ گزرا کہ اک خوفِ نامرادی تھا
سو آج بھی ہے وہی تیری آرزو کم کم

○

نہ دیجیے اور کچھ انعامِ شوقِ رسوائی
سوائے نازشِ یک لمحہ پذیرائی

کسی مقام پہ رازِ چمن نہیں کھلتا
بڑھا رہی ہے جنوں کو خرد کی گہرائی

کرشمہ ہائے دلِ سادہ کیا بیاں کیجیے
اسی بہ حسرتِ تمنا یہی تمنائی

تجھے تو کیسے بتاؤں کہ خود بھی یاد نہیں
کہاں کہاں کی ترے غم نے خاک چھنوائی

جہاں ہیں منزلِ مقصود کا تعین کیا
کہ ایک طے ہوئی اور دوسری نظر آئی

خوشا نگاہِ محبت کہ بار بار وہاں
بہ اشتیاق گئی اور بہ اضطراب آئی

ترے ہی طنز و تمسخر کا کیا گلہ اے دوست
ہزار بار محبت پہ خود ہنسی آئی

وجودِ شمعِ حقیقت کو ماننے والو
کوئی کہے تو سہی وہ کسے نظر آئی

ہوئی تمام تری ایک نیم شب نگاہی سے
تمام شہر کے لوگوں سے تھی شناسائی

اب اس علاقۂ آوارگاں میں خیر نہیں
ہوائے کوچۂ جاناں کہاں نکل آئی

وہ شامِ غم کہ سہارا تھی آرزوؤں کا
ہوئی تمام تو کیا صبحِ بے دلی آئی

غزل سُنا کے انھیں مطمئن سے ہیں عالی
انھیں خفا بھی کیا اُن سے داد بھی پائی

○

ویراں ہے جمیل تمہارا کب آؤ گے
روح و نظر کے انجمن آرا کب آؤ گے

ہر بار طعن خلق پہ ساکت رکھی زباں
اور دل ہی دل میں تم کو پکارا کب آؤ گے

تپتے ہیں جسم و روح زمحرومئ حضور
اک آگ ہے یہ ذکر تمہارا کب آؤ گے

ہے کیف انتظار مبدل بہ زہر یاس
موجوں سے کٹ رہا ہے کنارا کب آؤ گے

کوئی تلاش کوئی طلب کوئی جستجو
میرا کوئی نہیں ہے سہارا کب آؤ گے

خلوت میں اجتناب وہ جلوت میں التفات
مجھ کو ہر ایک بات گوارا کب آؤ گے

○

ہنسی میں تلخیٔ آلام کو چھپائے ہوئے
چلے چلو یونہی بارِ حیات اُٹھائے ہوئے

ہزار روپ نرالے بھرے بیانوں نے
مگر رہے وہی قصّے سُنے سنائے ہوئے

سوائے اس کے یہاں دعویٔ بہار نہیں
کہ ایک میں بھی ہوں اپنا چمن سجائے ہوئے

کسے خبر کہ یہ سرگرم رہروانِ حیات
رواں دواں ہیں تو کیا کیا فریب کھائے ہوئے

خطا کسی کی ہو لیکن عجیب ہے یہ مقام
الگ الگ سے ہیں دو دل قریب آئے ہوئے

ہم اپنا حال سناتے نہ بے سبب لیکن
زمانہ گزرا ہے تم کو بھی مسکرائے ہوئے

کبھی طلوع ہو وہ صبح جس کا وعدہ ہے
ہر ایک رات گزرتی ہے لو لگائے ہوئے

غزل کے شعر نکالے کہیں کہیں وہ بھی
چلے تھے لوگ محبت کی چوٹ کھائے ہوئے

دل ابھی آرزو کو ٹھہرائے
کیا خبر کیا پیام آجائے

○

کوئی بہار کی خاطر کوئی خزاں کے لیے
بس ایک میں ہی رہا صرف گلستاں کے لیے

الٰہی مجھ سے نظر چھین لے کہ اہلِ نظر
تمام عمر تڑپتے ہیں رازداں کے لیے

مسرتیں جو ملیں تیرے لطفِ پیہم سے
مچل رہی ہیں کسی جورِ ناگہاں کے لیے

مجھے ہیں خار سے کچھ خاص نسبتیں کہ یہ گل
بہار میں نہ کھلا رونقِ خزاں کے لیے

ہمیں ان اہلِ سخن میں نہ کر شمار کہ یہ
فغاں بھی کرتے ہیں خوش وقتیٔ فغاں کے لیے

کریں نہ ذکر تمہارا تو کیا کریں کہ ہمیں
کچھ اور مل نہ سکا اپنی داستاں کے لیے

ہمارے دیس میں ایران و نجد سے اُستاد
بلائے جاتے ہیں تعلیمِ عاشقاں کے لیے

ہمارے شہر میں فن کے اجارہ داروں نے
کچل رکھا ہے دلوں کو فقط زباں کے لیے

ہم اپنے دیس اور اپنے ہی شہر میں عالی
گداگری پہ ہیں مجبور سوزِ جاں کے لیے

حیراں ہوں کہ آج تیرے جلوے
محتاجِ نگاہ ہو گئے ہیں

○

ابھر آیا ہے بہاروں کے چلے جانے سے
اک جنوں جس کا تعلق نہیں ویرانے سے

عمر بھر کی یہ مری پرورشِ سوز و گداز
پھر تمنّا بنی جاتی ہے ترے آنے سے

جس توجہ کی ضرورت تھی وہی جب نہ دی
کیا ملا ایک چھلکتے ہوئے پیمانے سے

وہ تحیّر جو ترے غم سے مری روح میں ہے
تجھ کو محسوس نہ ہوگا مرے افسانے سے

ایسے بے آسرا چھوڑا ہے کہ اب تک اے دوست
بوئے گل کھیل رہی ہے ترے دیوانے سے

کوئی ایسا نہیں عالؔی بھی تو گھر رکھتا ہے
کیا بگڑ جائے گا اک بار وہاں جانے سے

○

حقیقتوں کو فسانہ بنا کے بھول گیا
میں تیرے عشق کی ہر چوٹ کھا کے بھول گیا

ذرا یہ دوریِ احساسِ حسن و عشق تو دیکھ
کہ میں تجھے ترے نزدیک آ کے بھول گیا

اب اس سے بڑھ کے بھی وارفتگیِ دل کیا ہو
کہ تجھ کو زیست کا حاصل بنا کے بھول گیا

گمان جس پہ رہا منزلوں کا اک مدّت
وہ رہگزار بھی منزل میں آ کے بھول گیا

بہانے تھے جو غمِ آرزو میں برسوں تک
ان آنسوؤں کو فقط مسکرا کے بھول گیا

اب ایسی حیرت و وارفتگی کو کیا کہیے
دعا کو ہاتھ اٹھائے اٹھا کے بھول گیا

دل و جگر ہیں کہ گرمی سے پگھلے جاتے ہیں
کوئی چراغِ تمنّا جلا کے بھول گیا

○

غزل کا درد غزل کا گداز لایا ہوں
ترے لیے تری تصویرِ ناز لایا ہوں

گہے سکونِ لبِ جو، گہے تلاطمِ برق
ترے حضور ترے امتیاز لایا ہوں

نگہ سے نسبتِ معنی ادا سے ربطِ کلام
وہی وقار وہی سوز و ساز لایا ہوں

بیاں میں شہد و ترنّم اثر میں کیف تمام
تری ہی اصل ترا ہی مجاز لایا ہوں

یہ طرزِ عطف و اضافت نہیں مری ایجاد
وہی تسلسلِ زلفِ دراز لایا ہوں

یہ رنگ و شوکتِ الفاظ خانہ ساز نہیں
وہی جمالِ رُخِ دل نواز لایا ہوں

یہ انتظامِ قوافی یہ انتخابِ بحور
ترے ہی نازِ بشکلِ نیاز لایا ہوں

کہیں کہیں جو یہ چپ چاپ قافیے ہیں رواں
وہی سکوتِ تکلّم نواز لایا ہوں

کہیں کہیں جو یہ شعلے بنے ہُوئے ہیں حروف
وہی تجلّیِ صد برق ساز لایا ہوں

وہی خلوص جو ہر کم توجّہی سے کھُلا
اسے بھی نیم عیاں نیم راز لایا ہوں

یہ دل پہ خود جو رکھے ہیں ہزارہا الزام
تری ہی مصلحتوں کا جواز لایا ہوں

سپردگی ہو تجسّس ہو یا حقیقت ہو
تمام حاصلِ عمرِ دراز لایا ہوں

○

گزارنی ہے بہر حال پیچ و تاب نہ کھاؤ
نئے الم بھی پُرانے غموں کی رَو میں بہاؤ

یہ دل کی آگ یہ تاروں کا آسماں پہ جِھاؤ
پُرانے راہنماؤ مجھے بھی راہ دکھاؤ

بہل ہی جائے گا دل جیسے آج تک بہلا
گزر چکی ہے بہت رات اب دیے نہ جلاؤ

ہے ایک تازہ ستم تیری مہربانی بھی
کہ ہرا دا سے نمایاں ہے سو دکھوں کا رچاؤ

بھٹکنے والو اندھیرے نہ مٹ سکیں گے کبھی
جو ہو سکے تو وہی اک چراغِ عشق جلاؤ

عجیب حال ہُوا تیری یاد پر جیسے
بھڑکتے جائیں ہزاروں بجھے بجھے سے الاؤ

حقیقتوں کی تپش سے مفر نہیں عالی
کوئی فریب نہ دو اور کوئی فریب نہ کھاؤ

○

ترے ہی غنچہ و گل ہیں ترے ہی ویرانے
جدھر کا حکم ہو پہنچیں اُدھر ہی دیوانے

وہ تیری برہمی دبے رُخی کو کیا مانے
جو ہر شکست کو تمہید آرزو جانے

دلِ تباہ کو اتنا شعور بھی نہ رہا
کہ آج تیرے کرم کی نگاہ پہچانے

نہ تھی بہار تو سب کو تھا ادّعائے جنوں
بہار آئی تو خالی پڑے ہیں ویرانے

ہے سوزِ شمع سے اک مجھ کو آگہی ورنہ
مرے سوا ہیں سبھی روشنی کے دیوانے

یہ میکدہ ہے کہ ہے قتل گاہِ اہلِ سرور
لہو سے سُرخ کیے جا رہے ہیں پیمانے

بہت ملے مگر ایسا ملا نہ واقفِ حال
جو مجھ سے پہلے سنا دے مرے سب افسانے

تجھے تو اپنی محبت سے کام ہے اے دل
یہ کیا ضرور کہ وہ تیری قدر بھی جانے

میں اس جہاں میں گُلِ بے چمن رہا یعنی
وہ شمع جس کو میسّر ہُوئے نہ پروانے

ہزار صاحبِ ادراک ہو مگر عالی
کبھی کبھی نظر آتے ہو تم بھی دیوانے

○

سمجھ سکا نہ کوئی رازِ حسنِ بیگانہ
جز این نیاز پسندیٔ قلبِ دیوانہ

یہ چاندنی یہ فضا یہ ہوائے میخانہ
دوام ہو تو ملے مجھ کو ایک پیمانہ

تری نگاہ کی توصیف ہو رہی ہے مگر
مری ہی تشنہ لبی بھر رہی ہے پیمانہ

جہاں پہنچ نہ سکا کوئی جذبۂ محتاط
وہاں گیا ہے مرا ذوقِ سرفروشانہ

نہیں ہے سرمد و منصور پر ہی ختم جنوں
مجھے بھی لوگوں نے اکثر کہا ہے دیوانہ

شکایتِ غمِ دل کو زباں نہیں کھلتی
کہ اس نگاہ کے انداز ہیں کریمانہ

تمام بزم ہیں اک ہم خموش بیٹھے ہیں
سنا رہے ہیں سبھی تجھ کو تیرا افسانہ

یقین رکھ کہ تری انجمن سے ہم بھی کبھی
تری ہی طرح سے گزریں گے بے نیازانہ

گزارنی ہے شبِ غم کسی طرح اے دوست
نہ اپنی کوئی کہانی نہ کوئی افسانہ

نہ پوچھ مجھ سے کسی شے کی اصل اے ہمدم
کہ دیکھتا ہوں میں آبادیوں میں ویرانہ

عجب عتابِ مشیت ہے مجھ پہ اے عالیؔ
گدا بنا کے دیا ہے مزاجِ شاہانہ

○

بیگانۂ قیودِ بہار و خزاں رہے
یارب مرا جنونِ محبت جواں رہے

یہ بھی سمجھ سکی ہے نہ اب تک نگاہِ شوق
تم نے کہاں فریب دیا اور کہاں رہے

دنیا میں چاکِ دل کو نہیں پوچھتا کوئی
کیا جانے کتنے اہلِ جنوں بے نشاں رہے

اس انجمن میں ہم بھی پہنچ تو گئے مگر
جب تک رہے مزاجِ نظر پر گراں رہے

کیا کیا جفائیں کی ہیں ہر اک آرزو کے ساتھ
اور اس طرح کہ اُن پہ وفا کا گماں رہے

اب یوں کرم نہ کر کہ بہ ایں وصفِ حسن و ناز
شاید تجھے بھی عشق کا سودا گراں رہے

لینے دے اپنا نام بھی مجھ کو کہ میرے بعد
تو بھی مری غزل کے سبب جاوداں رہے

○

دوبارہ دیدہ و دل آزمائے جاتے ہیں
سنا گیا ہے کہ ہم پھر بلائے جاتے ہیں

وہ بام و در متزلزل سے پائے جاتے ہیں
ارے یہ کس کے قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

نہ اس نظر میں تلاطم نہ ان لبوں پہ ہنسی
نہ جانے آج کہاں آزمائے جاتے ہیں

کہاں رقیبِ ہوس دوست اور کہاں وہ ناز
جو ناز ہم سے بمشکل اُٹھائے جاتے ہیں

کرم کرو کہ مری خانماں خرابی سے
تمام حسن پہ الزام آئے جاتے ہیں

کسے نصیب ہُوا تکملہ گلستاں کا
سب اپنے اپنے ہیولے بنائے جاتے ہیں

بس اے نزاکتِ دل وجہِ زندگی مت پوچھ
جو بوجھ اُٹھ نہیں سکتے اُٹھائے جاتے ہیں

یہی تو ہوگا کہ وہ بھول جائیں گے عالیؔ
سو ہم بھی اپنی کہانی سنائے جاتے ہیں

○

آنکھوں میں حیا آجاتی ہے ہونٹوں پہ تبسّم لاتے ہیں
وہ مجھ پہ ستم جب کرتے ہیں تصویرِ کرم بن جاتے ہیں

اب آپ عنایت کرنے کی تکلیف ہی کیوں فرماتے ہیں
دن یوں بھی گزرنے ہی ٹھہرے دن یوں بھی گزر ہی جاتے ہیں

اللہ رے خس و خاشاک سے یہ ہنس ہنس کے چٹانوں کا کہنا
وہ طوفاں کو کیا سمجھیں گے جو طوفاں میں بہہ جاتے ہیں

اک سمت مسلسل امیدیں اک سمت مسلسل محرومی
کب تک اُٹھے بارِ ہستی شانے ہیں کہ ٹوٹے جاتے ہیں

اب ایسی کرم کی باتوں سے دبتی ہیں کہیں دل کی چوٹیں
تم جتنا مٹاتے جاتے ہو یہ نقش اُبھرتے آتے ہیں

اس دورِ پریشانی میں کبھی وہ وقت بھی آتا ہے عالیؔ
کچھ دل بھی دھوکے کھاتا ہے کچھ وہ بھی کرم فرماتے ہیں

○

عمر بھر چارۂ جنوں نہ ہُوا
اب یہ کیا سوچیے کہ کیوں نہ ہُوا

نہیں معلوم کیوں طبیعت میں
آج رونے سے کچھ سکوں نہ ہُوا

کہیں وہ مائلِ کرم ہی نہ ہوں
مسکرائے تو غم فزوں نہ ہُوا

ہم پئیں بھی تو کیا پئیں یہ مے
بھر گیا جام لالہ گوں نہ ہُوا

شاید اب کے برس ہے ختم جنوں
فصلِ گل میں مجھے جنوں نہ ہُوا

عشق کا ذکر شعر میں کیوں ہے
یہ تو عالی غمِ دروں نہ ہُوا

○

کبھی خرد کو کبھی دل کو آزمائے گئے
غرض یہ ہے کہ فریبِ حیات کھائے گئے

اس انجمن میں مری حیرتیں عجیب نہ تھیں
کہ چند پردے بہت دیر میں اُٹھائے گئے

بہت اجاڑی گئیں بستیاں تمنّا کی
بسانے والے وہی بستیاں بسائے گئے

عجیب حال ہے بے چارگانِ اُلفت کا
اسی میں خوش ہیں کہ اس بزم میں بلائے گئے

اندھیری رات میں کیا کیا صدائیں آتی تھیں
سوان کو یاد کیا اور وہ یاد آئے گئے

تجھے خبر بھی نہیں اور خلق پوچھتی ہے
یہ کون لوگ ہیں آخر کہاں ستائے گئے

کہاں ہیں لفظ کہ وہ ان کے ذکر میں کام آئیں
جو مجھ سے دور رہے اور قریب آئے گئے

ہر احتیاط کے باوصف جب وہ بزم سجی
وہیں کہیں کسی گوشے میں ہم بھی پائے گئے

○

کب ہو کہ لذّت ہو زندگی غنیمت ہے
اے شرارۂ بے تاب بس یہی غنیمت ہے

وقت نے مٹا ڈالے وہ گلاب سے رخسار
اب تو زرد چہروں کی دل کشی غنیمت ہے

حسن و عشق کا مفہوم کیوں سمجھ کے ہوں مغموم
ایسے چند لفظوں کی نغمگی غنیمت ہے

تشنگی کہ سیرابی بے حسی کہ بے تابی
سب فریب ہے لیکن تشنگی غنیمت ہے

ایک جستجو تو ہے ایک گفتگو تو ہے
اس صدی میں پھر یارو عاشقی غنیمت ہے

○

کوئی تو شکل محبت میں سازگار آئے
ہنسی نہیں ہے تو رونے سے ہی قرار آئے

ہے ایک نعمتِ عظمیٰ اغمِ محبت بھی
مگر یہ شرط کہ انساں کو سازگار آئے

جنونِ دشت پسندی بنائے دیتا ہے
گزارنی تھی جو گھر میں وہ ہم گزار آئے

گزارنی ہے مجھے عمر تیرے قدموں میں
مجھے نہ کیوں ترے وعدوں پہ اعتبار آئے

تمہاری بزم سے آکر وہی خیال رہا
ہم ایک بار گئے تم ہزار بار آئے

نگاہِ دوست کوئی اور بات ہے ورنہ
تو بے قرار کرے اور مجھے قرار آئے

ہے مطمئن بھی تو کس کس امید و بیم کے ساتھ
وہ نامراد جسے لطفِ انتظار آئے

تبا گئی ہے جو مجھ کو وہ بے قرار نگاہ
نہ کہہ سکوں گا اگر آج بھی قرار آئے

یہ امتیاز ہے غالبؔ کے بعد عالیؔ کا
کہ جس پہ آپ مرے ہیں اُسے بھی مار آئے

○

نظروں سے بصیرت کی نہاں کچھ بھی نہیں ہے
سب کچھ ہے جہاں اور جہاں کچھ بھی نہیں ہے

ہم مٹ گئے اس فطرتِ آشفتہ کی خاطر
حالانکہ وہ غارت گرِ جاں کچھ بھی نہیں ہے

دل کی جو نہ کہیے تو زباں کاشفِ اسرار
اور دل کی جو کہیے تو زباں کچھ بھی نہیں ہے

دل والوں کو دل والوں سے ہے حرفِ شکایت
ظاہر میں محبّت کا نشاں کچھ بھی نہیں ہے

رنگین و نظر سوز مناظر سے گزر کر
پہنچا ہوں وہاں میں کہ جہاں کچھ بھی نہیں ہے

یہ عشق کہ ظاہر ہو تو ہل جائیں دو عالم
جز چند اشاراتِ نہاں کچھ بھی نہیں ہے

مجھ خو گرِ بیگانگیٔ دوست کو عالی
بیگانگیٔ اہلِ جہاں کچھ بھی نہیں ہے

○

یہ شعر و نغمہ عبارت ہیں آپ کے غم سے
مگر زمانہ کہ منسوب ہو گئے ہم سے

وہ اک نگاہ کی تاثیر مدتوں دل پر
کہ آرزوئے محبت نہ ہو سکی ہم سے

کسی بھی شعبۂ عالم میں کامیاب نہیں
وہ دل جو ربط نہ رکھے مزاج عالم سے

اُدھر بھی صرف تکلف سے احتیاط سے کام
ادھر بھی عرضِ تمنا کے طور مبہم سے

ہر ایک بات پہ اہلِ نظر کی رائے نہ مانگ
جو لوگ اہلِ نظر ہیں جدا نہیں ہم سے

ابھی نہ پوچھ کہ انجامِ آرزو کیا ہے
گزر رہا ہوں ابھی آرزو کے عالم سے

نہیں کہ مجھ کو نہیں تابِ غم مگر عالی
ڈرا ہوا ہوں ابھی اجنبیتِ غم سے

○

کچھ نہ خرد نہ کچھ جنوں اہلِ جمال کے حضور
صرف نظر کا ساتھ ہو اور نظر بھی کیا ضرور

ہائے یہ چشمِ بے نظر ہائے یہ شوقِ بے حضور
ہم تری انجمن میں ہیں اور تری انجمن سے دُور

ایسا تو حال ہو گیا اور نہ جانے کیا کرے
زہر کی ایک بوند جو پھیل گئی ہے دُور دُور

اب نہیں بچپنے کا ساتھ اور نہ برابری کی بات
کیا ہیں یہ سب معاملات مجھ کو نہیں ہُوا شعور

اپنے ہی اضطراب نے لوٹ لی اپنی کائنات
اس کا کسی سے کیا گِلہ اس میں کسی کا کیا قصور

○

عمر بھر کا یاد ہے بس ایک افسانہ مجھے
میں نے پہچانا جسے اس نے نہ پہچانا مجھے

انجمن کی انجمن مجھ سے مخاطب ہو گئی
آپ نے دیکھا تھا شاید بے نیازانہ مجھے

پہلے دیوانہ کہا کرتے تھے لیکن آج کل
لوگ کہتے ہیں سراپا تیرا افسانہ مجھے

گاہے گاہے ذکر کر لینے سے کیا یاد آئے گا
یاد ہی رکھنا مجھے یا بھول ہی جانا مجھے

خواب ہی دیکھا ہے لیکن ہائے کس لذت کا خواب
وہ مرے گھر تیرا آنا اور بہلانا مجھے

○

نہ ہو جو قدر مری بزمِ دوستاں میں نہیں
میں آپ جان رہا ہوں میں اس جہاں میں نہیں

ہر ایک بوئے بہاری پہ دم الجھتا ہے
کہ جیسے اور بھی کچھ ہے جو گلستاں میں نہیں

بسانے والے کے جانے بغیر پیدا ہیں
مکیں میں وسعتیں اتنی کہ جو مکاں میں نہیں

ہر اک حباب بہ شکلِ صدف ہے رقص کناں
اور اک گہر بھی تو اس بحرِ بیکراں میں نہیں

وہ ہر نگاہ پہ ہنس ہنس کر کسی کا کہہ دینا
کہ یہ نگاہ تو شامل ہی امتحاں میں نہیں

وجود ہی نہیں ہو گا اثر کا اے عالیؔ
نہیں تو کون سی شورش مری فغاں میں نہیں

○

رنگینی و فریبِ نظر دیکھتا چلوں
کیا جلوہ و جمال مگر دیکھتا چلوں

بکھرے ہوئے ہیں راہ میں غمہائے روزگار
کہیے تو ان کو ایک نظر دیکھتا چلوں

وہ چہرہ زرد ہے مگر اے گرمیٔ فغاں
کچھ اور بھی نشانِ اثر دیکھتا چلوں

اس نے کیا جو شمع کا رُخ بے سبب نہ تھا
مقصد یہ تھا کہ رقصِ شرر دیکھتا چلوں

عالیؔ کوئی مقامِ تمنّا نہیں مگر
کچھ دیر ان کی راہگزر دیکھتا چلوں

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

○

حالِ غمِ فراق سُنایا نہ جائے گا
ان کو اُنھی کے سامنے لایا نہ جائے گا

یہ پردہ داریاں ہی رہیں گی تو ایک دن
مجھ سے بھی تیرے سامنے آیا نہ جائے گا

امیدِ امتیاز تو کیا ہو وہاں مگر
یہ بھی گماں نہ تھا کہ بُلایا نہ جائے گا

اے بے بسیِ شوق یہ تاخیر کس لیے
کیا زہر ان کا غم ہے جو کھایا نہ جائے گا

دل پر تو ہے اُنھی کی نظر اے ہجومِ غم
آنسو بھی بن گیا تو بہایا نہ جائے گا

اے مجھ سے عشق رکھتے ہوئے مجھ سے بے نیاز
کب تک یہ امتیاز اُٹھایا نہ جائے گا

پھر بھی یونہی رہے گا شب و روز کا شمار
تم آئے بھی تو وقت کا سایا نہ جائے گا

عالؔی یونہی خراب رکھے گی شبِ حیات
جب تک کوئی چراغ جلایا نہ جائے گا

○

اس طرح تو نہ سنو شکوۂ بے جا مجھ سے
چھینے لیتے ہو ہر اک غم کا مداوا مجھ سے

جانے کیوں اک درودیوار کا پابند ہُوا
میں کہ منسوب کیے جاتے تھے صحرا مجھ سے

اس زمانے میں کہ عشّاق بھی ہیں اہلِ غرض
زندہ ہو جائے گی توقیرِ تمنّا مجھ سے

آج کیوں آپ تو اس وقت توجّہ فرمائیں
جب نہ ہو شدّتِ آلام گوارا مجھ سے

یاں تو اس دیس میں رہتے ہُوئے ڈر لگتا ہے
آپ کرتے ہیں محبّت کا تقاضا مجھ سے

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے
ہیں مزید اس طرح کی شان دار،
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے
ہمارے وٹس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

عبداللہ عتیق : 03478848884
سدرہ طاہر : 03340120123
حسنین سیالوی : 03056406067

○

مکیں ہوں اور حدودِ مکاں نہیں معلوم
سنانے بیٹھ گیا داستاں نہیں معلوم

دلِ حزیں کو کرم کی امید کرنے دے
ابھی اسے تری مجبوریاں نہیں معلوم

گزر رہی ہے بس اک سوز و کربِ پیہم میں
کہاں جلا تھا مرا آشیاں نہیں معلوم

سکوں سے منتظرِ التیاز ہے اب تک
مری جبیں کو ترا آستاں نہیں معلوم

کسی کو ان کا پتا کیا بتائیں اے عالی
ہمیں تو آپ ہی اپنا نشاں نہیں معلوم

○

نظر نظر ہے وہ کتنی وفا شعار سہی
انھیں بھی دیکھ لیا بے خودی ہزار سہی

تمام روحِ یقیں ہے سپردگیٔ دل کی
کوئی فریب تو دیجے وہ اعتبار سہی

اگر جنوں روشِ عام ہو گیا اے دل
تو ایک شوق باندازۂ بہار سہی

کوئی جواب بھی ہو گا مری محبت کا
ارے کچھ اور نہیں ہے تو انتظار سہی

یہی کہ سب ہی اُٹھے تجھ سے ناامید مگر
تری خوشی ہے تو ہم بھی امیدوار سہی

○

جب محبّت نصیب ہوتی ہے
دل کی حالت عجیب ہوتی ہے

فطرتِ عاشقی کو کیا کہیے
آپ اپنی رقیب ہوتی ہے

دل میں رکھ لوں تری نگاہِ ستم
یہ بھی کب کب نصیب ہوتی ہے

رات ہی خوش گزار جا اے دل
صبح کس کو نصیب ہوتی ہے

جب ہوا آنکھوں سے دور وہ صورت
دل سے کتنی قریب ہوتی ہے

عام ہے رسمِ عشق اے عالی
پھر بھی کتنی عجیب ہوتی ہے

○

مفہومِ نجد و محمل و لیلیٰ ہی اور ہے
میں جس میں سرگراں ہوں وہ صحرا ہی اور ہے

یوں بھی وہ مہر و ماہ سے کچھ کم نہیں مگر
میری نظر میں ان کا سراپا ہی اور ہے

جامہ دری بھی رسم ہے فصلِ بہار میں
لیکن مرے جنوں کا تقاضا ہی اور ہے

رہ جائے جس میں دب کے ہر اک شکوۂ بجا
وہ لذّتِ شکایتِ بے جا ہی اور ہے

کیا کہیے گفتہ ہائے بزرگاں کے بوجھ میں
اب انجمن ہی اور تماشا ہی اور ہے

عالی یہ ہمرہانِ تمنّا کو کیا خبر
جو دل پہ ہے وہ نقشِ تمنّا ہی اور ہے

○

کہاں ہیں آئیں سیرِ جذب کامل دیکھنے والے
کہ خود لیلیٰ بنے جاتے ہیں محمل دیکھنے والے

اسی اک شوق کو منزل بہ منزل دیکھنے والے
اب اپنی بزم میں آ، ان کی محفل دیکھنے والے

وہی شعلے یہاں عریاں وہی شعلے وہاں پنہاں
ذرا اپنا بھی دل دیکھیں مرا دل دیکھنے والے

بہ ہر خودداری و ہر بے نیازی کیا تماشا ہے
اسی محفل میں ہیں اندازِ محفل دیکھنے والے

ہمیں تو دل نے جس رہ پر چلایا اس پہ چل نکلے
نہ ہم حق دیکھنے والے نہ باطل دیکھنے والے

خدا رکھے اسے امید بھی کیا چیز ہے عالی
چلے ہی جا رہے ہیں خوابِ منزل دیکھنے والے

○

خشک اگر میری چشمِ نم ہو جائے
آپ کی بے رخی بھی کم ہو جائے

ہے یہی شوق برہمی کا سبب
یوں نہ چاہوں تو یہ کرم ہو جائے

التفات ان کا وجہِ زیست ہے اب
اور اگر التفات کم ہو جائے

دل میں ہے گو زباں نہیں کھلتی
کاش تجھ کو کسی کا غم ہو جائے

رو کے بھی دیکھ لیجیے عالی
شاید اس طرح درد کم ہو جائے

○

ہر سکوں میں شورشِ آلام ہے میرے لیے
تو نہیں تو گردشِ ایّام ہے میرے لیے

عشق کے ہنگامۂ پیہم سے فرصت ہی نہیں
ہر طرف پیغام ہی پیغام ہے میرے لیے

جرأتِ یک گام سے ہر مرحلے پر چوٹ کھائی
اور اب تک جرأتِ یک گام ہے میرے لیے

صرف اُمّیدِ سحر پر ہی نہیں ہے زندگی
تارِ شب میرا سوادِ شام ہے میرے لیے

ہر نفس پر دل دھڑکتا ہے یہ کیسا دَور ہے
زندگی کی آرزو الزام ہے میرے لیے

○

یہ کچھ دن سے دیوانوں کی حالت جو سنبھلتی جاتی ہے
یا منزل نزدیک آپہنچی یا راہ بدلتی جاتی ہے

تنہائی میں آمیزشِ غم وحشت سے بدلتی جاتی ہے
اک شمعِ تمنّا باقی تھی سو وہ بھی پگھلتی جاتی ہے

ہم باخبری اور بے خبری ہر عالم سے ایسے گزرے
جیسے یہ تیری ہی یاد ہے جو عنوان بدلتی جاتی ہے

ہم نے ہی خزاؤں میں اکثر کی تازہ ترے آنے کی خبر
اے بادِ سحر اے بادِ سحر کیوں ہم کو مسلتی جاتی ہے

عالیؔ کی تباہی کا باعث کچھ اور نہیں وہ خود ہی ہے
اک کوئل ہے جو اپنی ہی آواز سے جلتی جاتی ہے

○

بیانِ دردِ محبّت جو بار بار نہ ہو
کوئی نقاب ترے رُخ کی پردہ دار نہ ہو

سلامِ شوق کی جرأت سے دل لرزتا ہے
کہیں مزاجِ گرامی پہ یہ بھی بار نہ ہو

کرم پہ آئیں تو ہر ہر ادا میں عشق ہی عشق
نہ ہو تو ان کا تغافل بھی آشکار نہ ہو

یہی خیال رہا پتھّروں کی بارش میں
کہیں انھیں میں کوئی سنگِ کوئے یار نہ ہو

ابھی ہے آس کہ آخر کبھی تو آئے گا
وہ ایک لمحہ کہ جب تیرا انتظار نہ ہو

بہت فریب سمجھتا ہوں پھر بھی اے عالیؔ
میں کیا کروں اگر ان پر بھی اعتبار نہ ہو

○

اب یہ کیفیتِ دل ہے کہ چھپائے نہ بنے
اور جو وہ پوچھیں کہ کیا ہے تو بتائے نہ بنے

تم کو آزردگیٔ دل کا مزا کیا معلوم
کاش تم سے بھی کوئی کام بنائے نہ بنے

تو نے کیوں ان کو غمِ زیست دیا ہے یارب
جن سے اک رنجِ محبت بھی اُٹھائے نہ بنے

ہائے کیا پاسِ محبت ہے کہ تنہائی میں بھی
اشک آنکھوں میں رہے اور بہائے نہ بنے

ہم نشیں پوچھ نہ اس بزم کی رنگیں کہ جہاں
مجھ سے وحشی کو بھی بن ہوش میں آئے نہ بنے

وقت کی چارہ گری یوں تو مسلّم ہے مگر
زخم بھی وہ ہے کہ تا عمر دبائے نہ بنے

یہ بھی اک رسمِ تماشا ہے وہاں اے عالیؔ
دیکھتے رہیے مگر آنکھ اُٹھائے نہ بنے

○

وہ حوصلے بھی نہیں وہ جوانیاں بھی نہیں
زبانِ شوق پہ وہ لن ترانیاں بھی نہیں

اُدھر وہ حکم و ہدایت کی شان بھی نہ رہی
اِدھر جواب میں وہ بے زبانیاں بھی نہیں

وہ واقعات جنھیں خونِ دل سے لکھتے تھے
وہ کیا ہوئے کہ اب ان کی کہانیاں بھی نہیں

ہزار داغ کہ زخموں کی شان رکھتے تھے
مٹے ہیں یوں کہ اب ان کی نشانیاں بھی نہیں

ہے اب بھی اُن سے تعلق سو کیا تعلق ہے
کہ حسرتیں تو کجا بدگمانیاں بھی نہیں

○

دلِ آشفتہ پہ الزام کئی یاد آئے
جب ترا ذکر چھڑا نام کئی یاد آئے

تجھ سے چھوٹ کر بھی گزرنی تھی سو گزری لیکن
لمحہ لمحہ سحر و شام کئی یاد آئے

ہائے نو عمر ادیبوں کا یہ اندازِ بیاں
اپنے مکتوب ترے نام کئی یاد آئے

آج تک مل نہ سکا اپنی تباہی کا سراغ
یوں ترے نامہ و پیغام کئی یاد آئے

کچھ نہ تھا یاد بجز کارِ محبت اک عمر
وہ جو بگڑا ہے تو اب کام کئی یاد آئے

اپنی تخصیص پہ خوش ہوں مگر اس وقت مجھے
کشتگانِ ستمِ عام کئی یاد آئے

خود جو لب تشنہ تھے جب تک تو کوئی یاد نہ تھا
پیاس بجھتے ہی تہی جام کئی یاد آئے

کس قدر سادہ و بے باک ہے غالبؔ کہ ہمیں
اس پہ لگتے ہیں جو الزام کئی یاد آئے

○

خوشا کہ آج پھر اُس آرزو کی یاد آئی
اُسی تلاش اسی جستجو کی یاد آئی

بہ صد معانیِ تازہ بہ صد مطالبِ نو
ہر اک خموشی و ہر گفتگو کی یاد آئی

نہ تھی خیال میں وجہِ شگفتگیٔ قبا
ہر ایک چاک کی ہر اک رفو کی یاد آئی

ہم اپنی تیز مزاجی پہ آپ حیراں تھے
مصائبِ دلِ بے آبرو کی یاد آئی

لبوں کا رنگ سیہ تھا بغیر تشنہ لبی
سو آج پھر ترے جام و سبو کی یاد آئی

چھٹا ہے ذہن سے کتنی کثافتوں کا غبار
ترے چمن کی ترے رنگ و بو کی یاد آئی

دوہے کبت کہہ کہہ کر عالیؔ من کی آگ بجھائے
من کی آگ بجھی نہ کسی سے اسے یہ کون بتائے

عمر گنوا کر پیت ہیں ہم کو اتنی ہوئی پہچان
چڑھی ندی اور اتر گئی پر گھر ہو گئے ویران

ایک تو یہ گھنگھور بدریا پھر برہا کی مار
بوند پڑے ہے بدن پہ ایسے جیسے لگے کٹار

کدھر ہیں وہ متوارے نیناں کدھر ہیں وہ رتنار
نس نس کھینچے ہے تن کی جیسے مدرا کرے اُتار

ساجن ہم سے ملے بھی لیکن ایسے ملے کہ ہائے
جیسے سوکھے کھیت سے بادل بن برسے اُڑ جائے

جنم مرن کا ساتھ تھا جن کا اُنھیں بھی ہم سے بَیر
واپس لے چل اب تو عالی ہوگئی جگ کی سیر

چھوٹے بڑوں کے سنگم کا سب دیکھ لیا انجام
پاٹ بڑھایا جمنا۔نے پر ہے گنگا کا نام

نا مرے سر کوئی طرّہ کلغی نا رکیسے ہیں چھدام
ساتھ میں ہے اک ناری سانوری اور اللہ کا نام

آپ بنا بنجارہ ہیں اور آپ بنائی باٹ
سچ کہیو رے دیکھنے والے ایسے کس کے ٹھاٹ

بیتے دنوں کی یاد ہے کیسی ناگن کی پھنکار
پہلا وار ہے زہر بھرا اور دوجا امرت دھار

ٹھنڈی چاندنی اُجلا بستر بھیگی بھیگی رین
سب کچھ ہے پر وہ نہیں جن کو ترس گئے مرے نین

اپنے ہی من کا رونا کیا ہر من میں لگی ہے آگ
ساجن مل کر جُدا نہ ہوں اے سکھی یہ کس کے بھاگ

ٹہل ٹہل کر اب تو دیکھی جائے نہ ان کی باٹ
چل رے عاؔلی دوار کے باہر ڈالیں اپنی کھاٹ

نیند کو روکنا مشکل تھا پر جاگ کے کاٹی رات
سوتے میں آجاتے وہ تو نیچی ہوتی بات

روپ بھرا مرے سپنوں نے یا آیا میرا میت
آج کی چاندنی ایسی جس کی کرن کرن سنگیت

کہو چندرماں آج کدھر سے آئے ہو جوت بڑھائے
ہیں جانوں کہیں رستے میں مری ناری کو دیکھ آئے

میٹھی میٹھی کسک تھی دل میں نا کوئی دکھ نا سوگ
دو ہی دن کے بعد مگر یہ پریت تو بن گئی روگ

نا تری ایسی بالی عمریا نا ایسی نادان
پر جب ہم کوئی بات کہیں تو بنے یونہی انجان

چال یہ تیری گج جھُو میں اور نیناں مرگ رجھائے
پر گوری وہ رُوپ ہی کیا جو اپنے کام نہ آئے

گھنی گھنی یہ پلکیں تیری یہ گرماتا رُوپ
تُو ہی بتا اور نا رہیں تجھ کو چھاؤں کہوں یا دھوپ

عالیؔ اب کے کٹھن پڑا دیوالی کا تیوہار
ہم تو گئے تھے چھیلا بن کر بھیّا کہہ گئی نار

یہ ہر سُندر نار کو تکنا یہ جھک جُھک پرنام
عالیؔ تُو تو گیانی دھیانی یہاں ترا کیا کام

دکھا تو آخر چولی سے کیا چیز یہ اُبھری آئے
گوری ہم تو چنگی باؤ ہم سے کیوں شرمائے

یہ گدرایا بدن ترا یہ جوبن رس یہ چال
اری مرا کٹھن ہم پردیسی سُن تو ہمارا حال

گھاٹن یوں نجمان سمجھ کر ہم سے نا کترائے
پیا کے جو من بھائے باوری وہی رانی کہلائے

ہر اک بات میں ڈالے ہے ہندو مسلم کی بات
یہ نا جانے الھڑ گوری پریم ہے خود اک ذات

دو اندھیاروں میں کل عالی بن گئی اپنی بات
ایک طرف تھی دکھنی ابلا ایک طرف تھی رات

حیدر آباد کا ملک جو دیکھا تھا انگریز کا نوٹ
جب تک ساکھ رہے چاندی ہے پرکھ لیا تو کھوٹ

حیدر آباد کا شہر تھا جیسا اندر کا دربار
ایک ایک گھر میں سو سو کمرے ہر کمرے میں نار

گھاٹن نرم بدن کی جیسے دودھ اور شہد کی دھار
دھیڑن سخت بدن کی جس پر کُند پڑے تلوار

کس کس اُونچے گھر کی ایک سے ایک نویلی نار
عالیؔ تُو خود کس گھر کا ہے چپ بھی رہ اب یار

گئے تلنگانے بھی عالیؔ دیکھے واں کے ڈھنگ
تن پاپی تو یونہی رہا پر من ہوا ان کے سنگ

واہ تلنگانے کی مائیں جنیں جو ایسے لال
جو اندر سے ہیرے موتی باہر سے کنگال

اپنا تو جیون ہے عالیؔ سادھو کا بیوہار
ہم میں ایسے ڈھنگ کہاں جو کرتے دیش سدھار

ہم کو حیدرآباد نہ بھایا تھا جو روپ انوپ
اندر کتنی کالک تھی اور باہر کتنی دھوپ

بمبئی شہر جو پہنچے عالی آنکھیں تھیں حیران
کتنی چوڑی چوڑی سڑکیں کتنے اونچے مکان

شہر کے اندر ریل چلے اور ہر پل اک تیار
بھائی کو بھائی نہیں پہچانے گھڑی تکے ہر بار

میراجی کو کرشن نہ دیکھیں سیٹھ سے آنکھ لڑائیں
منٹو اپنی راہ نہ بھولیں بگٹٹ دوڑے جائیں

بمبئی پونہ حیدرآباد نہ آئے ہم کو راس
پیٹ کو بھر کر کیا کیجے جب من ہی ہے اداس

واں وہ نین کنول مرجھائے سوکھ گیا یاں ہار
بھوک کی گرمی سب کو بھونے ندی ہو کہ پہاڑ

میں نے کہا کبھی سپنوں میں بھی شکل نہ مجھ کو دکھائی
اس نے کہا بھلا مجھ بن تجھ کو نیند ہی کیسے آئی

کیا جانے یہ پیٹ کی آگ بھی کیا کیا اور جلائے
عالی جیسے مہاکوی بھی "بابوجی" کہلائے

اے بھیّن یہ بابوگیری کیا کیا کھیل کھلائے
یوں تنخواہ کی راہ تکیں کہ سجنی یاد آئے

روٹی جس کی بھینی خوشبو ہُنے ہزاروں راگ
نہیں ملے تو تن جل جائے ملے تو جیون آگ

○

چھنن چھنن خود باجے مجیرا آپ مرلیا گائے
ہائے یہ کیا سنگیت ہے جو بن گانک اُبھر آئے

ایک ہی دھن یوں تھرّائی ہے سوتے دُکھ گئے جاگ
ایک ہی لے یوں لہرائی ہے جیسے ناچیں ناگ

دھندلی دھندلی کہر کے پیچھے کرنوں کی جھنکار
اُتھلا جل اور گہری کائی ناچیں ہار سنگار

ایک ایک تال کھرچ لے من کو اک اک سر پیاس
اک اک مرکی بدن جلائے جیسے آگ پہ گھاس

گت میں چندن باس کا جھونکا توڑے میں کندن روپ
نیچے سُر میں چھاؤں بھری ہے اُونچے سُر میں دھوپ

سات سروں کے سات ستارے سات ہی جن کے رنگ
سب جھلکیں اک سرگم میں پر اپنے اپنے ڈھنگ

جا کوئی کہہ دے عالیؔ سے بس گائے جی بہلائے
جو سنگیت کا بھید کریدے خود بے سُر ہو جائے

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

○

عالیؔ جی اک کومی رسیلے دھنک سے جن کو پیار
پہنچ گئے اک گاؤں کبھی جو دھنک کے ہے اس پار

دیکھا واں اک ناچ سبھل جہاں گیا کوئی نہ جائے
گیا سے سرکار کا بجرا میلا نا ہو پائے

گاؤں کی سب سے سُندر ایلا مار گئے سرکار
گاؤں کی نمبر اوّل گیّا لے گئے تھانے دار

بھو کی آنکھ سے بیٹا دیکھے خالی پیٹ ہو باپ
ساوتری ماں بیٹی لاج سے روز کرائے پاپ

آلہا اودل گانے والے پیادے سے کترائیں
ہل کا بوجھ اُٹھانے والے ڈنڈے سے دب جائیں

کھیت کٹا تو لے گئے ٹھاکر منشی ساہوکار
گھر پہنچے تو بھو کی بہو اک برچھی سی دے مار

کھیتی سونا چاندی اُگلے گھر میں پہنچے روگ
پانی آگ انگار جیا رے بنیے اُڑائیں بھوگ

عالی نے اک لیا مجیرا اور چھیڑا یہ راگ
جس کا کھوج لگا، پچھم میں پر جو سب کی آگ

اے بھیّن یہ کھیت ہمارے ہمیں ہیں سے سرکار
اے بھیّن ہم ایک ہی ندی وہی جل اور وہی دھار

اے بھیّن اس دھرتی ماں کی کوکھ میں سب کا ناج
اے بھیّن اس دھرتی ماں پر ایک کسے کیوں راج

اے بھیّن یہ تیری بانہیں جیسے لوہا لاٹ
اے بھیّن یہ تیری بانہیں سب کو کرائیں ٹھاٹ

اے بھیّن ترا جھُلسا چہرہ ان کے رنگ بڑھائے
اے بھیّن تری بیٹی عورت دوجے کے گھر جائے

کس کس ماں کی کوکھ جلے کس کس دلہن کا سہاگ
ایک پُرانی چنگاری سے کب تک جلے گی آگ

اے بھیّن ہم بندی چاکر اور ٹھاکر مہاراج
اے بھیّن ہم آگ چبائیں یہ کھائے کنّی ناج

چھوٹے اک دوجے کو جلائیں بنتے جائیں اکھ
نیتا تاپیں ہاتھ مزے سے اور بڑھائیں ساکھ

ہم سب اس کے پریم پجاری ہم سب اس کے داس
پر یہ کیا انیائے کہ بھگوان ہے بنیے کے پاس

اے بھیّن وہ دیکھ سمے نے اپنی تان لگائی
اے بھیّن وہ ہُوا سویرا نئی کرن لہرائی

اک دُوجے کا ہاتھ پکڑ لو اور آواز لگاؤ
اے اندھیارو سورج آیا سورج آیا جاؤ

○

بابو گیری کرتے ہو گئے عالی کو دو سال
مرجھایا وہ پھول سا چہرہ بھورے پڑ گئے بال

دھیرے دھیرے کمر کی سختی کرسی نے لی چاٹ
چپکے چپکے من کی شکتی افسر نے دی کاٹ

دھرتی سے آکاش پہنچتے دھنک نے کیا بل کھائے
کوئی دیکھے کوئی سوچے من سب کا لہرائے

نا کوئی اس سے بھاگ سکے اور نا کوئی اس کو پائے
آپ ہی گھاؤ لگائے سمے اور آپ ہی بھرنے آئے

○

سُنو سُنو یہ بالک میرا یوں ہی ناچلائے
کہوے ہے اِس بندی گھر میں کاہے مجھے لے آئے

آتما جیسی بانکی تیتلی جب بن جائے شریر
اور نہ جانے اب جیون کی کیا کیا ہو تاثیر

اے بالک اس چکر کو پرماتما خود بھی روئے
جیون کی تو ذات ہی کالی کون سیاہی دھوئے

اے بالک تو جگ جگ جیوے رکھیو یاد یہ بول
جیون کے اندھیارے میں ہے دُکھ ہی سکھ کا مول

اے بالک اس جگ میں رکھیو آندھی جیسے ٹھاٹ
نیچے پودے اُونچے کیجو اُونچے دیجو کاٹ

اے بالک سب دھوکا ہے وہ نیائے ہو یا انیائے
پر وہ دھوکا کبھی نہ دیجو جو تو آپ نہ کھائے

○

عالی جی اک دوست ہیں اپنے جن کا ہے یہ کام
جیون بھر نردوش رہیں اور جیون بھر بدنام

کوئی کہے یہ لیے پھرے ہے روز نئی اک نار
کوئی کہے یہ بڑا سکھی ہے اس کے ہزاروں یار

کوئی کہے یہ پھلواری ہے کوئی کہے ویران
کوئی کہے یہ بگلا بھگت ہے کوئی کہے گُنوان

کوئی کہے یہ راج کوی ہے سوچ اس کی داس
کوئی کہے یہ سوکھا پھول ہے اس میں رنگ نہ باس

کوئی کہے اسے جیون ساتھی کوئی کہے جنجال
کوئی کہے اسے اتھلا پانی کوئی کہے پاتال

کس کو خبر یہ ہنس مکھ عالی کیا کیا چھپ کر روئے
جیسا ساتھی من ڈھونڈے تھا ویسا ملا نہ کوئے

○

کون ہے جس سے ملے بنا بھی اُسی کا ہر دم دھیان
کون ہے جس کے بدن کی دوری کھینچ رہی ہے جان

کون ہے جس کی یاد سے ہی مری نس نس میں ہے آگ
کون ہے جس کے دھیان سے ہی ہر یوبن جھکو راراگ

کون ہے جس کی آنکھ کا موتی میری آنکھ میں اوس
کون ہے جس کی خوشبو میرے ساتھ ہزاروں کوس

ڈھونڈ لو میری ناری کو ہے اس کی اک پہچان
چٹکی لو تو پھول ہے اور پوجو تو بھگوان

جن کے پاؤں کی مٹی سونا جن کی نظر تلوار
عالی جیسے بھوکے بانکے چاہیں ان سے پیار

شہر میں چرچا عام ہُوا ہے ساتھ پھرے ہم اک شام
مجھے بھی جانیں تجھے بھی جانیں لوگ کریں بدنام

پیار کروں تو بات کٹے اور بات بنیں جائے پیار
ہائے ری باوری ابلا ہوتے تیرے ہونٹ ہزار

ہر اک نار یہ پوچھے اس سے کون تھی پہلی نار
عالیؔ کس کس سے کیا کھوئے پریم بنا بیوپار

جاڑا آیا ٹھنڈی ہوائیں من سب کے بھرمائیں
کتنے درد کی بات ہے گوری ہم تجھے یاد نہ آئیں

عالیؔ سے ہی مان کرے ہے عالیؔ سے ہی پیار
باورے باورے نینوں والی ہے کتنی ہشیار

موتی کوٹ کے مانگ بھروں چندن سے دھوؤں ترے بال
ہائے یہ سُندر رانگ انوکھا ہائے یہ تیری چال

بن کنگن بن چوڑی با نہیں کندن جیسا رنگ
من میں کیا کیا آتی ہے جب ہم ہوں تیرے سنگ

صبح جو اُٹھ کر چلی وہ پاتر آیا دل میں دھیان
وہی عورت لے پانچ روپے اور وہی عورت لے جان

کوئی کہے مجھے نانک پنتھی کوئی کبیر کا داس
یہ بھی ہے میرا مان بڑھانا ہے کیا میرے پاس

اکبر شاہ نے راگ سُنا اور ہم نے دیکھی یار
صرف نظر سے آگ لگانے والی دیپک نار

بول ہزار دن روپ بھرے پر دھرم ہے میرا پیت
نام ہی بانی غزل ہے پیارے نا دوہے نا گیت

۵

ایک بدیسی نار کی موہنی صورت ہم کو بھائی
اور وہ پہلی نار تھی بھیّا جو نکلی ہرجائی

کیسے کیسے وقت گزارے ہم نے اس کے سنگ
کیسے کیسے ناچ رہے اور کیسے کیسے رنگ

مدرا پی کر بھکے گوری بہک بہک لہرائے
اور اپنا یہ حال کہ جیسے نس نس دل بن جائے

اس کا رمبا سمبا ٹنگو اپنی ٹھمری کھماچ
کیا کیا جھٹکے کیا کیا لہریں کیا گانے کیا ناچ

ہم بھی تازہ پھول سے چھیلا وہ بھی روپ بہار
لیکن پریم سے بڑھ کر پیارے پیسے کی ہے مار

○

کوٹھے گئے بھئے کویتا پڑھنے لے کر کیا کیا جال
بے کُن بے دھن واپس آئے عالیؔ یہ کیا حال

مل گئی کوئی نار نئی یا کوئی پُرانی ریت
آخر کیسے ہار بنی یہ جیون بھر کی جیت

عالی جی کے منہ پر مُہریں عزّت دھرم سماج
خیر اک دن سب بات کھُلے گی لاکھ چھپاؤ آج

اُودا اُودا بادل گہری کالی گھٹا بن جائے
اس کے دھرم میں فرق ہے جو اس موسم کو ٹھکرائے

ٹھنڈے پون جھکورے آئیں تیری یاد دلائیں
ہم کچھ بھی کہیں من تجھے مانگے من کو کیا سمجھائیں

○

نتھیا گلی کا پائن ہوٹل سرگ سماں ہے یار
رنگ برنگے پھول کے تختے رنگ برنگی نار

واہ کی کنواری جس کے اک اک انگ میں کیا کیا لوچ
جس پر آنکھ کا پل بھر پڑنا جیون بھر کی سوچ

برقعہ پوش پٹھانی جس کی لاج میں سو سو روپ
کھل کے نہ دیکھی پھر بھی دیکھی ہم نے چھاؤں میں دھوپ

باپ نہ ہوتا ساتھ تو ہم کہہ جاتے من کا حال
اک پل میں دو پنچھی پھانسے پریم نہیں وہ جال

بیر بہوٹی رنگت والی اک ناری انگریز
بات میں کتنی سیدھی سنبھلی گھات میں کتنی تیز

جرمن کی کیا ٹھوس جوانی کیا رنگت کیا ہاڑ
اس کے بوجھ سے دل پھٹ جائے چیز ہی کیا ہے پہاڑ

ایک فرانسیسی ابلا تھی الگ تھلگ چُپ چاپ
ایسے پیارے لوگ دکھی ہوں ہائے رے یہ کیا پاپ

اک لاہور کی تیکھی بانکی پڑھی لکھی مغرور
شاعر کو آوارہ کہوے افسر کو مزدور

عالی تیرا بھید ہے کیا ہر دوہے پر بل کھائے
میں جانوں ترے پاپی من کو گھر والی یاد آئے

گھر والی جو سُکھوں کی ساتھی دُکھوں میں تیری اس
جھوٹا پرکھے سچّا جانے رکھے تری ہی آس

وہ ترے بچے پالنے والی وہ ترے گھر کی لاج
کیا اسے بھول کے مست ہُوا ہے تف تجھ پر کویراج

○

جیون بوجھ بہت بھاری اور بوجھ کے سو سو ٹھاٹ
سامنے ہے اک لمبا مرگھٹ جس کو کہہ دیں باٹ

اُوپر سورج خود دہکے نیچے دھرتی دہکائے
پھر کیوں کر دم لے نہ مسافر چھاؤں جہاں آ جائے

کیسے کیسے دیپ جلے پر وہی رہا اندھیر
بڑے بڑے وہی ڈوری پکڑیں چھوٹوں کے وہی پھیر

تہ میں بھی ہے حال وہی جو تہ کے اُوپر حال
مچھلی بچ کر جائے کہاں جب جل ہی سارا جال

○

لیے پھریں دکھ اپنے اپنے راجہ میر فقیر
کڑیاں لاکھ ہیں رنگ برنگی ایک مگر زنجیر

سکھ بانٹے دکھ مول لیے جل بانٹا کھائی آگ
پھر بھی کبھی کبھی من پاپی ڈسے ہے بن کر ناگ

○

پورب کی ابلا دکن کی ابلا یا پنجاب کی نار
عالی اپنے من پر سب کے گہرے گہرے وار

کوئی بھی سُندر نار کسی بدصورت کے گھر جائے
نیاء کھو یا لالچ سمجھو مرے من کو نا بھائے

کیا بھرمر کیا شہد پپیہو دھر کیا کھیچپ کیا بیال
اپنا چھند الگ ہے جس کا نام ہے عالی چال

سور کبیر بہاری میرا رحمن تلسی داس
سب کی سیوا کی پر عالی گئی نہ من کی پیاس

اُردو والے ہندی والے دونوں ہنسی اُڑائیں
ہم دل والے اپنی بھاشا کس کس کو سکھلائیں

ہم نے پڑھی ہر دیس کی پُستک دیکھے چاروں وید
چین سے لے کر لندن تک ہے ایک ہی نائکہ بھید

من کے ایک علی بابا کے پیچھے لاکھوں چور
انھی چوروں میں من یوں گھومے جیوں منگل میں مور

کس کس پر ڈولے گا منوا ہر کوئی چھب دکھلائے
کس کس کو رو ٹیں گی آنکھیں اک آئے اک جائے

پہنیں مولسری کے کنٹھے سونگھیں سرخ گلاب
پاکستان میں جو ہوں عالیؔ دلّی میں تھے نواب

ایک ہی مطلبِ عالیؔ جی کا ایک ہی ان کی چال
سُوکھے چٹیل راجستھان سے ہرے بھرے بنگال

کانٹے چُننا کلیاں چُننا چُننا ڈھاک اور پات
کیا جانے کب کون ملے کب کیا آجائے ہات

عالی جی کی کویتا میں کچھ جھوٹے سچے بھاؤ
نا تو کوئی گمبھیرتا اس میں نا کوئی اس میں رچاؤ

اگنی سی ہے رُوئیں رُوئیں میں نس نس دکھ سے چُور
عالی ہم پر جیون کا جو وار پڑا بھرپُور

اک گہرا سنسان سمندر جس کے لاکھ بہاؤ
تڑپ رہی ہے اس کی اک اک موج پہ جیون ناؤ

کیا جانے یہ چلی کہاں سے اور کہاں تک جائے
کون کنارا چھوڑ آئی ہے کون کنارا پائے

نا تو جھوٹا میل رکھے ہے نا رہ رہ مسکائے
عالی تو ہی بتا کوئی تجھ کو کاہے میت بنائے

اگنی پوجیں سورج پُوجیں، پوجیں جل اور ناگ
عالی اپنی نار کو پوجیں یہ عالی کے بھاگ

گیت

○
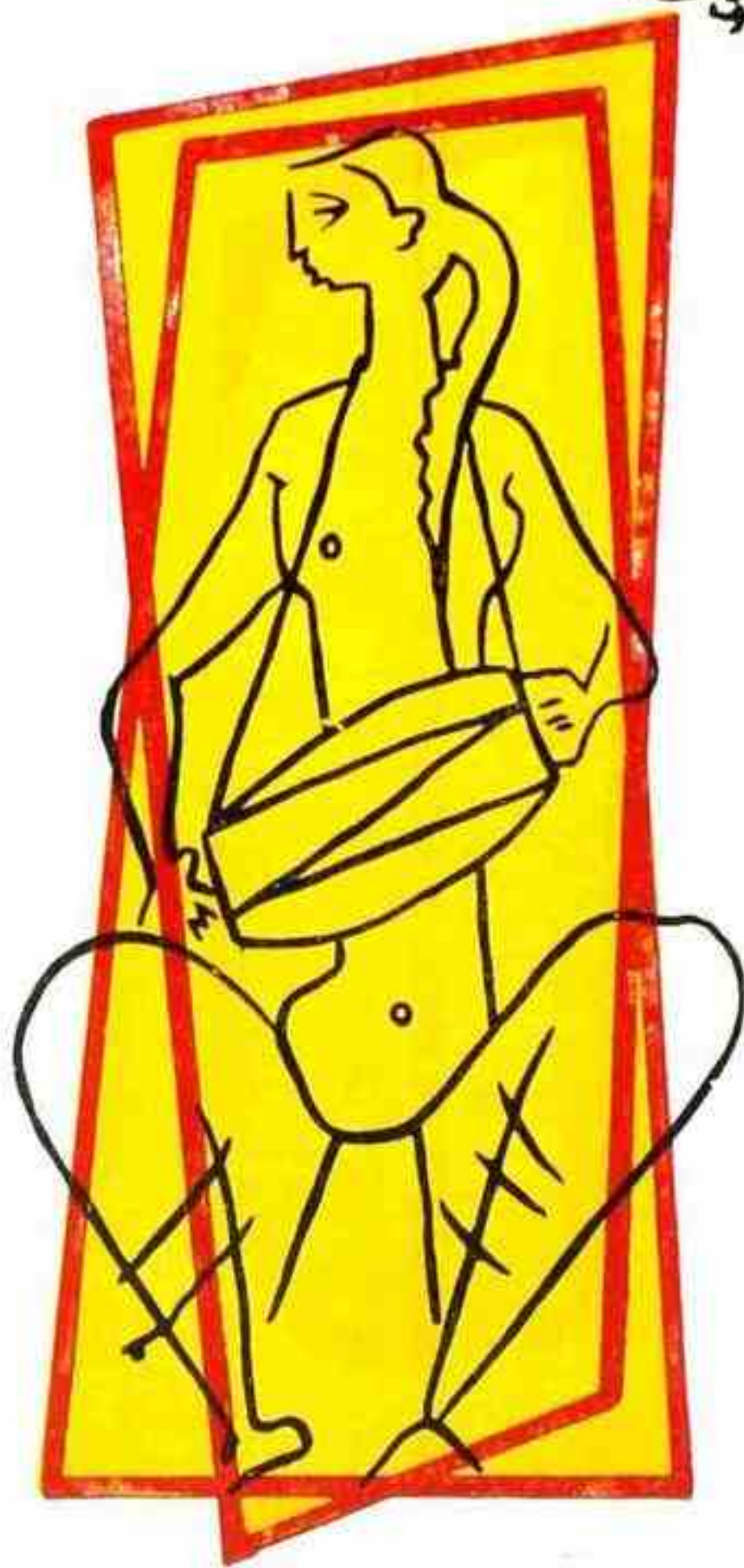
آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں

کتنے اچھے کتنے پیارے
کیسے کیسے دوست ہمارے
کیا کیا باتیں کر جاتے ہیں
آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں

کتنے گہرے تال پرانے
جن سے ہوں منسوب افسانے
بس اک بوند سے بھر جاتے ہیں
آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں

کیا کیا بانکے مرد جیالے
کن کن آدرشوں کے پالے
کس کس چیز سے ڈر جاتے ہیں

آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں

سخت اور تیز کلہاڑوں جیسے

دیکھے لوگ پہاڑوں جیسے

کتنی جلد بکھر جاتے ہیں

آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں

آدم سے عالی تک آئے

سب کے سب اک جیسے پائے

پیدا ہو کر مر جاتے ہیں

آنکھیں دیکھتی رہ جاتی ہیں

○

چھن چھنن چھنن

چھن چھنن چھنن

یہ رات کا بوجھ اور دن کی تھکن

یہ من کی پیاس آنکھوں کی جلن

یہ اپنی لگن

سنگیت سا اک بُن جاتی ہے

چھن چھنن چھنن

یہ کنوار پتّے کی تیز مہک

یہ اَن دیکھے سپنوں کی دمک

یہ اپنی لگن

گھنگرو بن کر لہراتی ہے

چھن چھنن چھنن

یہ بھیدوں کی ہر آن تپش
آکاش کی اور دھرتی کی خلش
یہ اپنی لگن

آخر سرگم بن جاتی ہے
چھن چھنن چھنن

یہ روٹی کی ان تھک بازی
جب ختم ہوئی تو لے سازی
یہ اپنی لگن

ہر بات یہیں آجاتی ہے
چھن چھنن چھنن

○

سَیّاں کی مدھ بانی سُن کر

لہرائے دلہن

سَیّاں کی نظر سے بچ بچ کر

اترائے دلہن

سَیّاں جو بڑے آوارہ ہیں

جو دفتر میں ناکارہ ہیں

جب رات گئے گھر آجائیں

اور دن بھر کے دُکھ دہرائیں

گھبرائے دلہن

دے کوسنے پہلے جگ بھر کو

پھر دیکھ کے اپنے منوہر کو

مُسکائے دلہن

تازی ہے کہ روٹی باسی ہے

یہ موہنے مکھ کی پیاسی ہے

لہرائے دُلہن

اترائے دلہن

مُسکائے دُلہن

○

پھر اس سے ملے جس کی خاطر

بدنام ہوئے

جتنے خاص بہت اب تک خالی

اب عام ہوئے

بدنام ہوئے

دو لمحے چاندنی راتوں کے

دو لمحے پیار کی باتوں کے

الزام ہوئے

بدنام ہوئے

یوں تو نہ گئی واں کوئی خبر

پر آہوں کے خاموش اثر

پیغام ہوئے

بدنام ہوئے

یوں تو نہ دیے کچھ سکھ ہم کو

پران سے جو پہنچے دکھ ہم کو

انعام ہوئے

بدنام ہوئے

جب ہونے لگے یہ حال اپنے

سب روشن صاف خیال اپنے

ابہام ہوئے

بدنام ہوئے

شے خاص بہت اب تک خالی

اب عام ہوئے

بدنام ہوئے

○

جب سورج ڈوب گیا
جاگ اُٹھے رات کے اندھیارے
اور پھیل گئے سناٹوں پر تاروں کی دمک سے سجتے ہوئے
اور چندر کرن میں رچتے ہوئے
کچھ بوجھ نئے رکھے جگ پر کچھ پہلے بوجھ ہٹائے
کوئی روئے کوئی مسکائے

ہم سوتے رہے
اور کھوتے رہے
جب سورج ڈوب گیا

○

کل ہم جو رہے خاموش تو وہ

مجبوب گیا

وہ نالہ جو اٹھا تھا دل سے

کیا خوب گیا

دل سوتا دیلیں کرتا ہے

اور کہتے ہوئے یہ ڈرتا ہے

مجبوب گیا

اک آنسو سو طوفانوں کا

جب بوجھ پڑا ارمانوں کا

خود ڈوب گیا

کچھ کہہ بھی کہ دل کب تک تیرے
کیوں ہر کوئی تیرے گھر سے
معتوب گیا

عالی کی زباں ہے اب بھی وہی
عالی کا بیاں ہے اب بھی وہی
اسلوب گیا

○

آگ لگی ہے تن میں میرے
کون سمایا من میں میرے
کون سمایا من میں

آن مری وہ چٹانوں کی سی
شان مری دیوانوں کی سی
رنگت وہ بیابانوں کی سی
کیفیت افسانوں کی سی
راکھ ہے ایک جلن میں
کون سمایا من میں

نیندیں اُڑ گئیں راتوں کی
اور راتیں ہیں برساتوں کی
پھول کھلے ہیں بن میں
کون سمایا من میں

سانپ سا بن کر ڈس جاتا ہے
تیرے بنا جب بھی آتا ہے

چاند مرے آنگن میں
کون سمایا من میں

گرمی میں جو کال پڑا ہے
دل اب تک بے حال پڑا ہے

کیا ہو گا ساون میں
کون سمایا من میں

آگ لگی ہے تن میں میرے
کون سمایا من میں میرے
کون سمایا من میں

○

خود لکھوں یا کوئی اور لکھے

سب گیت مرے

کچھ سنتے ہیں کچھ گاتے ہیں

سنگیت مرے

سب گیت مرے

سایوں کی طرح بے نور آنکھیں

باغوں کی طرح مسرور آنکھیں

کچھ موت کی چھاؤں میں سوئی ہوئی

کچھ شکتی سے بھرپور آنکھیں

سب گیت مرے

کوئی پھلواری مرجھاتی ہوئی
یا کونپل ہو اتراتی ہوئی
کوئی ٹوٹی ناؤ پرانی ہو
یا موج نئی بل کھاتی ہوئی
سب گیت مرے

محلوں کے قرینے ہیں ان میں
قاروں کے خزینے ہیں ان میں
کچھ وہ دکھ جن سے عشق بنے
کچھ درد کمینے ہیں ان میں
سنگیت مرے

ہر نرم رسیلے پیاریں ہیں
ہر زہر بجھے تیکھے بانیں ہیں

ہر ہنستے ہُوئے لب پر رقصاں

ہر آنسو کی جھنکار میں ہیں

سنگیت مرے

خود لکھوں یا کوئی اور لکھے

سب گیت مرے

○

کوئی آئے گا کوئی آئے گا

آدرشوں کا خوں پیتے ہیں

ہم اسی سہارے جیتے ہیں

کوئی اپنی پھلواری کو بھی

مہکائے گا

کوئی آئے گا

یہ قافلے ہیں انسانوں کے

یا کھیت ہیں سوکھے دھانوں کے

کبھی ان پر کوئی مدبرکھا
برسائے گا
کوئی آئے گا

ہم دُھندلے ہیں بے نُور نہیں
ہے دیر یہ وہ دن دُور نہیں
جب اپنے پیار کا پرچم بھی
لہرائے گا
کوئی آئے گا

○

عالیؔ اپنی ذات کو رد ئیں

وہ ہری جن کی پُتریا

بھیّا

وہ ہری جن کی پُتریا

جس کی کارن آتما ترسے

اسی سے نیچی نجریا

بھیّا

وہ ہری جن کی پُتریا

من بھرپور اگنی کی بھٹّی

اور آنکھوں میں بدریا

بھیّا

وہ ہری جن کی پُتریا

ایسے روپ کے ہوتے ہُوئے بھی
سونی سونی نگریا
بھیّا
وہ ہری جن کی پُتریا

مولی کا بعر چھم چھم ناچیں
کاٹے کٹار کمریا
بھیّا
وہ ہری جن کی پُتریا

ہائے ضرور ملے گا اُس کو
کوئی نہ کوئی سنوریا
بھیّا
وہ ہری جن کی پُتریا

○

کیوں عالی جی کچھ تم بھی کہو
کویراج دُکھی
بلراج دُکھی
مہراج دُکھی

کیوں عالی جی کچھ تم بھی کہو
کیوں سب کے سب ہیں آج دُکھی
نادان دُکھی
گنوان دُکھی
دھنوان دُکھی

کیوں عالی جی کچھ تم بھی کہو
کیا اب بھی نہیں بھگوان دُکھی
پر عالی جی چپ چپ سے ہیں

بولیں بھی تو آخر کیا بولیں
اک پردے ہیں سو سو پردے
کھولیں بھی تو کس کس کو کھولیں
اس چُپ کا مطلب گیان نہیں
اس چپ میں کوئی دھیان نہیں
پردے سو کیا سو لاکھ بھی ہوں
تم ایک ہی پردہ کھولے جاؤ
تم جو کچھ سمجھو بولے جاؤ
یہ پردے خود ہٹ جائیں گے
یہ بندھن خود کٹ جائیں گے
پر عالیؔ جی چپ چپ سے ہیں
بولیں بھی تو آخر کیا بولیں

○

ناچ لے ناچ لے

ناچ لے

گرمیٔ مے سے لذّت ہر انداز ہیں

مستیاں ساز ہیں

ناچ لے

گر رہی ہے جوانی سنبھل جائے گی

آگ جل جائے گی

ناچ لے

سست ہو کر بھی کب تک اماں پائیں گے
یوں ہی رہ جائیں گے
ناچ لے

زندگی ہے یہی زیر و بم زیر و بم
تیز تر کر قدم
ناچ لے ناچ لے
ناچ لے

○

عالی کی باتیں مت سُنیے

دیوانے ہیں

یہ گیت یہ غزلیں یہ دوہے

افسانے ہیں

دیوانے ہیں

لفظوں کی یہ سُندر ابلائیں

یہ بھُو کے من کی تمنّائیں

ویرانے ہیں

دیوانے ہیں

ظاہر ہے یہ ان کی باتوں سے
یہ اصل ہیں پیار کی گھاتوں سے

بیگانے ہیں
دیوانے ہیں

یہ باج پیجنن چھن چھن چھن کی
بیساکھ میں آشا ساون کی

سب گانے ہیں
دیوانے ہیں

جو ان کی باتیں مانیں گے
وہ انھیں نہیں پہچانیں گے

ہم جانے ہیں
دیوانے ہیں

وہ مغموم آنکھیں

مجھے اس زمانے کے افسانوں سے

کوئی رغبت نہیں ہے وہ منٹو لکھیں یا کوئی اور صاحب لکھیں کیونکہ ان میں بڑی گندگی ہوتی ہے خیر اب گندگی زندگی، زندگی گندگی کے مباحث میں میں تو الجھنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ فرض لاکھوں رضا کار مدّت سے انجام دینے چلے آرہے ہیں مجھے تو فقط اپنی رائے کا اظہار کرنا تھا سو کر رہا ہوں کہ یہ جتنے افسانے ہوتے ہیں ان سب میں جتنے بھی کردار ہوتے ہیں دلّال غنڈہ طوائف انھی تین کرداروں کے آئینے ہوتے ہیں خواہ وہ کیسے ہی نام رکھ کر لکھے جائیں۔

اور اب مجھ سے بالکل ہی سچ پوچھیے

تو میں کہہ دوں کہ میں نے تو اب تک کوئی ایسا کردار پایا نہیں جو اِن

افسانہ خوانوں کے لکھے ہُوئے ڈائیلاگ ایک لمحہ بھی بولا ہو یا جس نے ایسی کوئی بات کی ہو۔

مری زندگی میں خود اِک واقعہ ایسا موجود ہے جس کو میں چاہتا تو کئی رنگ بھر کر بڑا اچھا افسانہ لکھ ڈالتا لیکن اب اس کو کیا کیجے سچ میں کوئی جاذبیت ہی باقی نہیں ہے یہاں تو یہ دستور رہے کہ اگر سچ بھی لکھو تو دُنیا کا سب سے بڑا جھوٹ معلوم ہوتا کہ جب وہ پڑھا جائے تو گھٹتے گھٹتے بھی کچھ تو مزا دے سکے لیکن اس گفتگو سے تو بہتر یہی ہے کہ میں آپ کو اپنا وہ واقعہ ہی سُنا دوں جو میرے لیے اِن ادیبوں سے وحشت کا باعث ہُوا ہے

ہُوا یوں کہ پچھلی مئی میں مجھے ایک لڑکی ملی تھی بڑی شستہ معقول اور یوں تو وہ خوبصورت بھی تھی لیکن اس کی وہ تاریک مغموم آنکھیں خود اپنی الگ شخصیت رکھتی تھیں اور اُن آنکھوں میں تاریک سایوں نے ڈیرے جما کر اسے اس طرح خوف میں مبتلا کر رکھا تھا کہ وہ جاگتے اور سوتے ہزاروں طرح کے خیالات میں ڈوب کر چونک اُٹھتی اور سوچتی تھی کہ وہ جو ہے شاید کسی ساحرہ کی وہ بھٹکی ہُوئی روح ہے جو کسی

خاص شب کو عمل پڑھتے پڑھتے خود اپنے مؤکل سے ڈر کر اچانک ہی قالب سے
پرواز کرنے لگی ہو اور اس کو نہ موت آسکی اور نہ اپنا بدن ہی ملا جو کہ بوجھل
زمانوں میں پس کر کبھی کا فنا ہو چکا ہے ۔

مجھے جب بھی وہ اچھے موسم میں (اکثر
تو ہم شام کو ہی ملا کرتے تھے) ملتی بس اک یہی بات دُہراتی حالانکہ میں نے کئی
اور موضوع بھی چھیڑ کر اس کو بہلانا چاہا مگر وہ ہر اک مسئلے کی تہوں میں سے کچھ
سلسلے ڈھونڈ کر مجھ سے یہ بات کہہ کر ہی رہتی اور اس وقت میں اس کے
چہرے پہ اک خاص اذیت کی لہریں گنا کرتا جو اس کی مدھم مگر صاف آواز کے
زیر و بم کے سہارے اُبھرتی ہوئی مٹتی جاتیں

میں حیران تھا کہ یہ جب مجھ سے ملتی ہے
ہر بات کی تان اسی بات پر توڑتی ہے باتیں تو کمزور اعصاب کے لوگ کرتے ہیں
یا پھر وہ جن کو زمانے کی رفتار سے واسطہ ہی نہ ہو اور اپنی ہی نفسی پریشانیوں
کو ہر اک شے پہ تنقید بم دے کر سمجھ لیں کہ اتنی بڑی زندگی بس انھیں کی پریشانیوں
کے قدم چومتی ہے مگر ایسے لوگوں کا اک خاص طبقہ ہے یعنی وہ شاعر
ادیب اور مصور وغیرہ ہُوا کرتے ہیں جن کو کچھ بھی کہو لیکن ان میں وہ اک جستجو وہ

تڑپ اور وہ حدت تو ہوتی ہے جس کے جلو میں کسی قسم کا کوئی آدرش یا کوئی امید کوئی تمنا کوئی خاص منزل غرض یہ کہ کوئی سہارا تو ہوتا ہے جس کے لیے وہ جہاں کا تمسخر بھی سہتے ہیں اور دوسری ذلتوں کو بھی برداشت کرتے ہیں اور اپنی بدحالیوں کو بھی اک خاص شعری فضا میں سموتے ہی رہتے ہیں لیکن وہ لڑکی تو ان سب فنون لطیفہ سے اتنی ہی بے بہرہ تھی جیسے دنیا کے اکثر بڑے آدمی عشق اور عشق کی لذتوں سے مگر ان مثالوں سے کیا فائدہ بات یہ ہے کہ وہ اک بڑی سیدھی سادی سی لڑکی تھی اور اس گھرانے کی تھی جس کا شجرہ ازل سے مرتّب چلا آ رہا ہے یہ سب لوگ اپنی روایات کے سخت پابند تھے اور میں یہ دیکھتا تھا کہ ان کا تبختر اور ان کا غرور اصل میں خواہ کتنا ہی بے جان اور مضحکہ خیز ہو لیکن اس میں اک اخلاص تھا اور یہ ان کے ہر شعبۂ زندگی سے نمایاں تھا اور میرے دل میں بھی اس بات کی قدر تھی کہ یہ اتنے بڑے لوگ مجھ جیسے بے کار آشفتہ انسان کو اپنے ہی گھر کا بچہ سمجھتے یہاں تک کہ کن کن گھرانوں کے لڑکے ادھر آتے جاتے مگر اس کو اتنی اجازت نہ تھی کہ کوئی اک جھلک دیکھ پائے فقط میرے ہمراہ شاموں کو نیچے کی وادی میں جاتی مگر وہ بھی ہفتے میں دو دن اور اس پر یہ طرّہ کہ برقعے میں ملفوف ہو کر نکلتی میں باہر نکل کر یہ کہتا کہ اب اس اندھیرے میں کون آ رہا ہے مگر اس کو تو

جیسے ضد تھی کہ جو کچھ بزرگوں کی مرضی ہو اس پہ اندھا دھندیوں ہی عمل کرتی جائے تو میں کہہ رہا تھا کہ گو اس کی صحت بھی اچھی تھی اور اس کو ذوقِ فنونِ لطیفہ بھی بس واجبی واجبی تھا اسے یہ تصوّر نہ جانے کہاں سے میسّر ہُوا اور وہ بھی مسلسل مسلسل کا مطلب یہی ہے کہ جب شام ہو اور اندھیرا ہو اور ہم ڈھلانوں سے نیچے اُترتے ہوں بس وہ مرا ہاتھ پکڑے مری سمت جھک جائے اور بات ہی بات میں اک ہی فقرہ دہرائے جس سے مجھے اس قدر کوفت ہونے لگی تھی کہ جوں ہی وہ بولی وہیں میں نے پنجہ مروڑا مگر اس کا عالم وہی رہتا بیزار افسردہ منہ پر یہ لمبی کئی فٹ کی دو دو نقابوں کا سایہ اندھیرے اجالے (اجالا کہاں شام کی ہلکی ہلکی سیاہی سمجھیے) بس اک دوسرے کے سہارے مگر اجنبی سے چلے جا رہے ہیں اسی طرح گھر سے چلے اور اسی طرح نیچے اندھیروں میں پہنچے اسی طرح واپس چلے آئے اے لیجے جھٹ ہُوئی اور سچ پوچھیے تو میں یہ سوچتا تھا کہ یہ لوگ مجھ سے اسی واسطے مطمئن ہیں کہ ان کو خود اپنی ہی لڑکی پر اتنا بھروسا ہے حالانکہ ایسا ذرا کم ہُوا کرتا ہے خیر اتنا بھی کیا سوچنا میں بھی اک اچھے گھر کا ہوں اس وقت بیکار تھا تو کوئی جُرم تھوڑا ہی تھا جو مجھے کمتری کا تصوّر زیادہ تفکّر پہ مجبور کرتا۔

تو ایسے ہی عالم میں دو ماہ گزرے گئے اور ملے

اور واپس نہ اُلفت نہ نفرت وہی ان بزرگوں کی پابندیاں اور وہی جب میں جاؤں
تو مشروط سیریں وہی اس کی خاموش مغموم آنکھیں مگر جب بھی بولو وہی کورے ذوقی
یہاں تک کہ بارش کا موسم بھی آپہنچا اور شام کی سیر میں بھی ذرا ہچکچاہٹ سی ہونے لگی
پھر ہمارا نتیجہ نکل آیا اور اس سے اگلے مہینے سول یا کسی اور معقول سروس کا امکان پیدا
ہُوا اور مجھے اچھے کپڑوں کی تشویش لاحق ہوئی مختصر یہ کہ دو تین ہفتے اُدھر کی خبر ہی نہیں لے سکا
بات یہ ہے کہ میں ان پہ عاشق تو کیا ہوتا بس اس زمانے میں کچھ اپنی بدحالیوں میں ذرا ایک رنگین
سہارا سا تھا کیونکہ کوہ مری پر تو پنجاب سرحد کراچی یہاں تک کہ بنگال تک سے بڑے بورژوا لوگ
آتے ہیں جن میں ہمارا تو کیا ذکر اچھے سے اچھے جوانوں کے سوٹوں پہ ناکامیاں
لوٹتی ہیں تو ایسے زمانے میں کوئی ہمیں پوچھ لیتا ہم اس کے ہی تھے اور پھر اس کی
تو بات ہی اور تھی ایسی شستہ شریف اور ایسے گھرانے کی چشم و چراغ اور پھر
ہم کو اتنی سعادت ہی کیسے وہ لوگ ایسے ہی تھے کہ پانی بھی دیں تو کوئی
چھ سلام اور آداب اس کے عوض میں کرالیں غرض یہ کہ جتنی بھی گزری وہ جس طرح
گزری بہت خوب تھی اور اب چند ہی روز میں میں ادھر آرہا تھا کہ اک دن عجب
واقعہ پیش آیا۔

ہُوا یوں کہ جب آخری شام میں اس کو

لے کر گیا تو وہ بولی کہ اب آپ ابا میاں سے کوئی بات کریںجیے میں نے پوچھا کہ کیا
تو وہ بولی کہ جو آپ چاہیں میں سمجھا کہ اب یہ کوئی اور فقرہ نکالے گی اور آج کی شام
بھی بور ہو گی یہ مجھ کو گوارا نہیں تھا چنانچہ مجھے بھی یہ سُوجھی کہ میں نے اسے غور سے
دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر کہا آج تم کچھ نہ بولو وہ گھبرا گئی اور کہنے لگی
آپ کیا کہہ رہے ہیں بہر حال کھانے سے پہلے ہمیں گھر پہنچنا پڑے گا میں سمجھا کہ یہ
دور جانے سے خائف ہے میں نے کہا آج تو ڈاک بنگلے کا چکر لگا کر ہی آئیں گے
یہ سُن کے وہ مسکرانے لگی اور لجا کر یہ بولی کہ پھر اپنے کمرے پہ چلیے وہاں اس قدر دُور
جانے سے کیا فائدہ اور وہاں دوسرے لوگ بھی چاندراتوں میں آتے ہیں اب تو
میں ٹھٹکا مگر میں ابھی کچھ سمجھ ہی سکا تھا کہ اک دم سے مجھ کو کسی نے پکڑ کر وہ
جھٹکا دیا کہ میں مشکل سے سنبھلا اور اک لمحے میں مجھ کو میجر الف نے (میں اب
نام کیا لوں) پکڑ کر خوشی سے بغل میں دبا ڈالا میں تو خوشی اور حیرت سے وارفتہ سا
ہو چلا تھا یہ میرا بڑا ہی پُرانا ذرا سینیئر قسم کا دوست تھا جو مجھے چھ برس بعد
اچانک ملا تھا میں سنبھلا ہی تھا اور اسے اک طرف کھینچنے ہی لگا تھا کہ وہ زور
سے چیخا کیوں بے ابے یہ تو بھابھی ہے نا اور یہ کہتے ہی اس نے کچھ ایسے جھپٹے
سے اس کی نقابیں اُلٹ دیں کہ میں ہائیں بھی کہہ نہ پایا مگر اس کے بعد اس پہ

اک زلزلے کا سا عالم گزرنے لگا اور کبھی وہ مجھے دیکھے اور سر پکڑلے کبھی اس کو دیکھے اور اک مسکراہٹ سی ہونٹوں پہ لانے کی کوشش کرے اور اس کی طرف دیکھتا ہوں تو اس نے نقابیں یونہی پیچھے ہی ڈال رکھی ہیں اور یہ دکھوے اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی ہی چلی جا رہی ہے میں سمجھا کہ اچھا کوئی یاد ماضی وغیرہ کا قصہ ہے لیکن ذرا میں بھی گھبرا رہا تھا چنانچہ میں دونوں کو یوں ہی کھڑا چھوڑ کر چپکا چلنے لگا لیکن اس نے بڑے زور سے چیخ ماری اور اک دم مرے پاؤں پہ گر کے کہنے لگی مجھ کو گھر لے چلو لے چلو لے چلو اور یہ چیخوں میں کہتی چلی جائے جس سے مرے ہوش اُڑیں اور وہ میجر تو جیسے مجھے کھا ہی جاتا مگر خیر میں نے بھی موقع کو سمجھا اور اس کو اُٹھا کر وہیں ایک رکشا میں لا دا بہت چاہا میجر سے کچھ تو کہوں لیکن اس کی نہ ہمت ہوئی اور نہ موقع ملا بس اسے لے کے گھر کو روانہ ہوا اور میجر یوں ہی دیکھتے دیکھتے جیسے اک قہقہہ مار کر پیچھے بھاگا

میں خاموش رکشا کے ہمراہ گردن جھکائے

چلا جا رہا تھا کہ وہ اپنی دونوں نقابیں اُٹھا کر نہ جانے کدھر غالباً چاند کی سمت تکنے لگی (چاند ابھی بادلوں میں سے نکلا ہی تھا) اور جیسے بہت دُور سے کوئی آواز آتی ہو اس طرح کہنے لگی گو کہ ہم آج تک یوں ہی مجبور و معذور ملتے رہے

ہیں مگر آپ چاہیں تو میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں اور گھر کی سب ذمہ داری بھی مجھ پر رہے گی حضت مجھ پہ تو بجلی سی گر پڑی اور میرے تو جیسے قدم جم گئے اور رکشا چڑھے ہی گئی اور نہ میرے گلے سے وہ چیخیں ہی نکلیں جو دل میں اُمنڈتی چلی آ رہی تھیں نہ اس نے ہی روکا۔

اسی رات جب اپنے گھر پر مجھے چاند سے خوف سا آ رہا تھا مجھے اس نے باہر سے آواز دی اور میں باہر آیا تو ابا حضور اور وہ میرے دروازے پر اور امی حضور اور گھر والے دو موٹروں میں سڑک پر نظر آئے میں نے بمشکل حواسوں کو قائم رکھا اور ان کو بلایا تو ابا حضور اور وہ اندر آئے اور اس نے نقابیں اٹھائے ہوئے کیا کہوں کس طرح مجھ کو اتنا بتایا کہ تقسیم کے بعد سب سے بچھڑ کر کوئی چھ مہینے وہ میجر الف کے سہارے بسر کر چکی ہے۔

میں شادی تو ویسے بھی کیا کرتا اور اب تو اس بات سے صورتِ حال کچھ اور ہی ہو گئی تھی مگر آج تک میں یہی سوچتا ہوں کہ وہ جو بھی تھی اک نرالی سی شے تھی۔

ابھی رات ہی حیدر آباد کے ایک

تاریک چکلے میں اک ایسی لڑکی نظر آئی ہے جس کی آنکھیں بھی اتنی ہی گہری ہیں اور ذوق بھی اتنا ہی بے تکا ہے مگر کاش اس کا کوئی باپ ہوتا نہوتا تو کم بخت یہ نائکہ ہی نہ ہوتی جو مجھ سے کیا جو بھی آئے فقط دس روپے مانگتی ہے۔

مگر خیر اس بات سے آپ کو کیا تعلق

مرا واقعہ تو وہی تھا اور اب سوچیے میں نے افسانوں کے بارے میں کیا غلط کہہ دیا ہے۔

(یہ پوری کہانی فعولن فعولن میں لکھی گئی ہے)

صاحب طرز نثر نگار اور شاعر ابن انشاء مرحوم
کی یاد میں یہ کتاب انجمن ترقی اردو ہند
کی لائبریری کو پیش کی جاتی ہے